www.UrduFanz.com
دو تیر ایک شکار
اشتیاق احمد

محمود، فاروق، فرزانہ
اور — انسپکٹر جمشید سیریز
ناول نمبر ۵۵۶
دو تیر ایک شکار
اشتیاق احمد

نام ناول —— دو تیر ایک شکار

بار اول —— یکم دسمبر ۱۹۹۳ء

طابع —— اشتیاق احمد

کتابت —— سعید نادار

سرورق —— طاہر ایس ملک

قانونی مشیر —— اعجاز احمد ایڈووکیٹ

مطبع —— عظیم علیم پرنٹرز

قیمت —— دس روپے

اشتیاق پبلی کیشنز

۹/۱۲ نصیر آباد — مسلم پورہ — سانده کلاں — لاہور

فون: 7246356

حضرت عکراش بن ذویب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پیالہ لایا گیا جس میں بہت سا ثرید اور روغن تھا (ثرید ایک کھانا ہے جو گوشت اور روٹی سے بنایا جاتا ہے) ہم اس میں سے کھانے لگے تو میں اپنا ہاتھ سب کونوں میں (پیالے کے) پھراتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عکراش! ایک طرف سے کھا کر سب ایک ہی کھانا ہے۔ پھر ایک طبق آیا جس میں کئی قسم کے رطب تھے (تر کھجور) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ گھومنے لگا طبق میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عکراش! جہاں سے تیرا جی چاہے، وہاں سے کھا، کیونکہ اس میں کئی طرح کے رطب ہیں۔

(ف) اور ہر ایک کا ذائقہ اور مزہ جداگانہ ہوتا ہے اور بعضوں کو ایک طرح کا مزہ پسند ہوتا ہے، دوسرا پسند نہیں ہوتا۔ ایسے موقعوں پر ہر طرف ہاتھ پھرانا جائز ہوا جب مختلف قسم کے کھانے یا مختلف قسم کے میوے ہوں۔ غرض شرع اسلام میں جو حکم ہے وہ عقلمندی اور دانائی کے ساتھ ہے)

— سنن ابن ماجہ شریف، جلد سوم، صفحہ ۵۳، حدیث ۱۵۹ —

السلام علیکم!

محمد فیصل، الفیصل ٹاؤن، لاہور کینٹ سے لکھتے ہیں:

"محترم اشتیاق احمد

السلام علیکم! آج مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۹۳ء بروز بدھ پاکستان ٹیلی ویژن پر پانچ بجے اور چھ بجے شام کی خبروں میں ایک خبر نشر کی گئی۔ میں وہ خبر لکھ کر بھیج رہا ہوں۔ آپ یہ خبر پڑھیں اور سوچیں کہ پاکستان کا مستقبل کیا ہو گا؟

خبر:

آج مزار میاں میرؒ کو غسل دینے کی تقریب ہوئی۔ اس تقریب میں وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس محمد ایاز نے بھی شرکت کی۔ مزار پر دعا مانگی گئی، بعد ازاں چیف جسٹس اور دوسرے لوگوں نے مزار کو غسل دیا۔

سے: کیا اس قسم کے شخص کو وفاقی شرعی عدالت کا جج بنانا چاہیے؟

فقط:

محمد فیصل، ۱/۴ اے ۶۲، ایم ۲، الفیصل ٹاؤن، بلاک اے لاہور کینٹ۔"

شکریہ محمد فیصل صاحب! آپ نے بہت خوب توجہ دلائی۔ اس قسم کے کاموں کا شریعت مطہرہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں، بلکہ شریعت کا مذاق اڑانا ہے۔ اس قسم کے شخص کو وفاقی شرعی عدالت کا جج ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ وہ تو شریعت سے انصاف نہیں کر سکتا۔ لوگوں سے کیا انصاف کرے گا۔ اور پھر اگر یہ بات کسی درجے میں بھی مستحسن ہوتی تو فخر کائنات، سرور عالم حضور پرنور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو جہانوں کے سردار کے مزار مبارک کو ضرور غسل دیا جاتا۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ تو پھر۔ ذرا غور کریں۔ بات کہاں جا پہنچتی ہے۔

خبر کا خیال

اخبار کی ایک چھوٹی سی خبر نے اُسے اُچھل پڑنے پر مجبور کر دیا۔ اس کی آنکھیں حیرت، خوف اور اُلجھن سے پھیل گئیں۔ خبر یہ تھی:

"سیٹھ مروان کو قتل کر دیا گیا۔"

خبر کے نیچے تفصیل اس طرح درج تھی:

"کل رات سیٹھ مروان کو اُن کی خواب گاہ میں کسی نامعلوم آدمی نے قتل کر دیا۔ صبح گھر کی صفائی کرنے والی خادمہ نے اُن کی لاش بستر پر پائی۔ پولیس نے اُن کے قتل کے الزام میں اُن کی بیوی اور سالے کو گرفتار کر لیا ہے۔ پولیس کا کہنا ہے کہ ان کے پاس مکمل ثبوت موجود ہے اور ان دونوں نے یہ جرم قبول بھی کر لیا ہے۔"

اس نے پلکیں جھپکائیں۔ خبر کو دوبارہ پھر پڑھا۔

ایک بار پھر پلکیں جھپکائیں اور خبر کو پڑھا۔ پھر اس نے اپنی میز پر بیٹھے ایک دوسرے شخص سے کہا:

"بھائی صاحب۔ ذرا یہ خبر پڑھ کر سنا دیں۔"

"کیوں۔ کیوں۔ آپ اَن پڑھ ہیں، لیکن آپ تو کافی دیر سے اخبار پڑھ رہے ہیں۔"

"ہیں۔ بس آپ مجھے اَن پڑھ ہی سمجھ لیں۔ اور یہ خبر پڑھ دیں۔"

اس نے بُرا سا منہ بنا کر خبر پڑھ دی۔ اس نے بھی بالکل وہی الفاظ پڑھے تھے۔ اس نے اخبار اس سے جھپٹ لیا اور پھر کھانے کا بل ادا کر کے ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ وہ یہاں کھانا کھانے داخل ہوا تھا۔ باہر نکل کر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ایک شخص آتا نظر آیا۔ شکل صورت سے پڑھا لکھا نظر آ رہا تھا:

"بھائی صاحب۔ کیا آپ یہ خبر پڑھ کر سنا سکتے ہیں؟"

"کیوں! آپ اَن پڑھ ہیں؟"

"ہاں۔" اس نے کہا۔ اور کیا کہتا۔

اس نے بھی خبر پڑھ کر سنا دی۔ راہ گیر آگے بڑھ گیا۔ اب وہ ایک پارک میں جا کر بیٹھ گیا اور بار بار اس خبر کو پڑھنے لگا۔ بلند آواز سے پڑھنے لگا۔

"آپ پاگل تو نہیں ہیں۔" ایک آواز سن کر وہ چونک اٹھا۔ اس نے نظریں اٹھائیں۔ ایک خوب صورت سا لڑکا کھڑا اسے گھور رہا تھا:

"میرا خیال ہے کہ میں پاگل ہونے والا ہوں۔ اگر ایسا ہو جائے تو کیا آپ میرا ایک کام کر دیں گے۔" اس نے درخواست کی۔

"ہا ہا! ہم پاگلوں کے منہ نہیں لگتے۔ کیا پتا کب کاٹ کھائیں۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"میں پاگل نہیں ہوں، لیکن پاگل ہونے والا ضرور ہوں۔"

"اس صورت میں ہمیں یہاں سے ہٹ جانا چاہیے۔"

"نہیں۔ لیکن آپ ہمیں کب ہیں۔ آپ تو اکیلے ہیں۔ کیا آپ اپنے لیے ہمیں کا لفظ استعمال کرتے ہیں؟"

"نہیں۔ میرا بھائی بھی یہاں موجود ہے، وہ رہا سامنے۔"

"اوہ اچھا۔ تو آپ میرا ایک کام کر دیں گے۔"

"پہلے کام بتائیں۔"

"یہ خبر پڑھ دیں۔"

"اس کو پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ آپ اتنی آواز سے اسے بار بار پڑھ چکے ہیں کہ ہمیں اب یہ زبانی یاد ہو گئی ہے۔"

"لگ — کیا واقعی ؟" اس کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"اگر یقین نہیں تو سُنا دیں۔"

"سُنائیے ذرا۔" اس نے اخبار موڑتے ہوئے کہا۔

لڑکے نے فرفر خبر سُنا دی۔

"کمال ہے۔ آپ کا حافظہ تو بہت تیز ہے۔"

"آخر اس خبر میں ایسی کیا بات ہے۔ یہ تو ایک بالکل عام خبر ہے۔ اس قسم کی خبریں تو آئے دن اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔"

"ہاں ! میں یہ بات جانتا ہوں۔ اس قسم کی خبریں عام چھپتی رہتی ہیں۔"

"تب پھر آپ کو کیا پریشانی ہے ؟"

"آپ اپنے بھائی کو بھی یہیں بُلا لیں۔"

"اگرچہ اس کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ ہماری باتیں اس تک پہنچ رہی ہیں۔"

"بہت لمبے کان ہیں ان کے۔"

"نہ صرف ان کے۔ بلکہ میرے بھی۔ لیکن ہماری بہن کے کان تو اس قدر تیز ہیں کہ اس کی تفصیل سن کر آپ اس خبر کو بھی بھول جائیں گے۔"

"مجھے افسوس ہے۔" اس نے کہا۔

"ہو گا۔ اب میں یہ کیوں پوچھوں۔ کہ کس بات پر افسوس ہے۔"

"نہیں۔ آپ کو پوچھنا چاہیے۔"

"چلیے۔ اگر آپ کی خواہش ہے تو پوچھ لیتے ہیں۔"

"ہاں ! ٹھیک ہے۔ میری خواہش بھی ہے کہ آپ پوچھیں، مجھے افسوس اس بات پر ہے کہ میں اس خبر سے زیادہ حیران کسی اور بات پر نہیں ہو سکا۔"

"خیر خیر۔ وہ آپ کی مرضی۔ نہیں ہوتے نہ ہوں۔ ہمارا تو فرض تھا..." وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا کہا۔ فرض تھا۔ کیا فرض تھا۔ کس سلسلے میں فرض تھا؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہی بتا دینا کہ اس خبر سے بھی زیادہ آپ کو حیرت ہو گی۔ آپ نہیں مانتے، نہ مانیں۔ کوئی یہ بات منوانے کا ہم پر بھوت تو سوار ہے نہیں۔ اور اگر اتفاق سے بھوت سوار ہو بھی جائے تو ہم اسے ویسے ہی چھٹی کا دودھ یاد دلا دیں گے۔"

"کیا یاد دلا دیں گے ؟" اس نے گھبرا کر کہا۔

"چھٹی کا دودھ۔ آپ کو نہیں معلوم۔ چھٹی کا دودھ کیا ہوتا ہے۔ بلکہ کیسا ہوتا ہے ؟"

"جی نہیں — پتا نہیں، آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں — ارے ہاں — یہ بھی تو بتائیں — چھٹی کا دودھ کسے یاد کرا دیں گے؟"

"بھوت کو — اور کس کو؟"

"اب مجھے ہی آنا پڑے گا — یہ حضرت تو اب سنجیدہ ہونے سے رہے۔" دوسرا لڑکا اُٹھ کر ان کی طرف آ گیا۔

"لیجیے — اب، اپنے بڑے بھائی سے بات کیجیے۔" پہلے نے منہ بنایا۔

"شش — شکریہ!"

"کر دیے بے چارے کے دو ٹکڑے۔" پہلے نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"کک — کس کے دو ٹکڑے کر دیے — ارے باپ رے" اس نے گھبرا کر کہا۔

"شکریے کے۔" پہلا بولا۔

"اوہ — میں تو کچھ اور ہی سمجھ گیا تھا۔" اس نے فوراً پرسکون ہو کر کہا، لیکن پھر یک لخت بے چین نظر آنے لگا — شاید خبر کا خیال آ گیا تھا۔

"اکثر لوگ ہماری باتیں سن کر کچھ اور سمجھ جاتے ہیں — بلکہ کچھ اور اندازے لگا لیتے ہیں۔"

"یار خاموش رہو — ان سے اس خبر کے بارے میں بات کر لینے دو۔" دوسرے نے جھلا کر کہا۔

"تو میں نے کب روکا ہے۔" اس نے منہ بنایا۔

"ہاں جناب! اب بتائیں — اس خبر میں ایسی کیا بات ہے؟" پہلا بولا۔

"خبر کی بات چھوڑیں — پہلے آپ یہ بتائیں — اگر میں پاگل ہو گیا تو آپ ایک کام کر دیں گے؟"

"چلیے کر دیں گے — آپ بھی کیا یاد کریں گے۔"

"شش ..." اس نے پھر شکریہ کہنا چاہا۔

"بس بس رہنے دیں — نہیں چاہیے ہمیں دو ٹکڑوں میں بٹا ہوا شکریہ۔"

"شکریہ!" اس نے فوراً کہا۔

"ہاں! یہ صحت مند شکریہ قبول ہے — اب آپ پاگل ہونے کی صورت میں کیا کام ہم سے لینا چاہتے ہیں؟"

"بس! مجھے پاگل خانے میں داخل کرا دیجیے گا — ورنہ میں جانے کب تک سڑکوں پر بھٹکوں گا۔"

"یہی بات ہے — کرا دیں گے — لیکن آخر اس خبر میں ایسی کیا بات ہے؟"

"آپ یہ پوچھیں — کہ اس خبر میں کیا نہیں ہے۔"

اس نے کہا۔

"چلیے — اگر آپ یہ بتانا پسند کرتے ہیں کہ اس خبر
میں کیا نہیں ہے — تو یہی بتا دیں — ہمیں تو کوئی اعتراض
نہیں" پہلے لڑکے نے جلدی جلدی کہا۔

"کیا اعتراض نہیں — مجھے تو آپ خود پاگل دکھائی دے
رہے ہیں — آپ دونوں کو تو شاید مجھے پاگل خانے میں
داخل کرانا پڑے گا"

"اس صورت میں ہم آپ کا شش شکریہ ادا کر دیں گے"
دوسرا لڑکا بولا۔

"ارے بابا — آپ جائیں — مجھے نہیں ہونا پاگل خانے
میں داخل"

"اب یہ مشکل ہے" پہلے لڑکے نے سنجیدہ لہجے
میں کہا —

"کیا — کیا مشکل ہے؟"

"یہ کہ — اب ہم چلے جائیں — جب تک آپ
نہیں بتا دیتے کہ چکر کیا ہے — آپ کو پریشانی
ہے، اس وقت تک ہم نہیں جانے والے"

"حد ہو گئی — آپ تو جونک کی طرح چمٹ گئے"
اس نے کہا۔

"آپ — آپ نے ہمیں جونک کہا" پہلے لڑکے نے
چلّا کر کہا۔

"یار آہستہ آواز میں بات کرو — اور لوگ ہمیں گھورنے
لگے ہیں" دوسرے نے گھبرا کر کہا۔

"گھورنے دو — ان کی تو عادت ہے — ہمارا کیا جاتا ہے"

"ہوں — ٹھیک ہے — میں ہی یہاں سے چلا جاتا ہوں"

"لیکن جائیں گے کہاں؟" پہلا لڑکا مسکرایا۔

"کیا مطلب — یہ آپ نے کیا کہا؟"

"میں نے یہ کہا ہے کہ آپ جائیں گے کہاں؟"

"اپنے گھر جاؤں گا اور کہاں جاؤں گا"

"ابھی تو آپ پاگل ہونے کی بات کر رہے تھے —
پاگل خانے جانے کی بات کر رہے تھے — اور اب اپنے
گھر جانے کی بات کر رہے ہیں — آپ تو واقعی ..." دوسرا
کہتے کہتے رک گیا۔

"آپ تو واقعی کیا؟"

"پاگل لگتے ہیں"

"افسوس تو اسی بات کا ہے — میں صرف پاگل لگتا ہوں،
ہوں نہیں — کاش میں پاگل ہوتا — یا ہو جاتا"

"دیکھیے جناب — آپ ہمیں بات بتا دیں — ہم آپ

کے کام آنے کی پُوری پُوری کوشش کریں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ آپ سنجیدہ لگتے ہیں۔ جب کہ یہ حضرت تو بالکل سنجیدہ نہیں ہوئے۔ اب سنیے۔ اس خبر کا مجھ سے بہت گہرا تعلق ہے۔ اس قدر گہرا کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"کیوں نہیں سوچ سکتے۔ کنوئیں جتنا گہرا ہوگا۔ یا پھر سمندر جتنا۔ اور سمندر سے زیادہ گہرا تعلق آپ کیا ثابت کر سکیں گے۔"

"ایک تو تم چُپ نہیں رہ سکتے۔" دُوسرے نے جھلا کر کہا۔

"لو۔ ہو گیا چُپ۔ اب نہیں بات کروں گا۔ اس وقت تک۔ جب تک کہ تم خود نہ کہو۔"

"اور مجھے کیا ضرورت ہے۔ کہنے کی۔" دُوسرے نے جل کر کہا۔

"ارے باپ رے۔ اس طرح تو نہ جانے کب تک چُپ رہنا پڑ جائے گا۔" پہلے نے گھبرا کر کہا۔

"آپ۔ آپ دونوں ہی عجیب ہیں۔"

"ابھی آپ نے ہماری بہن کو نہیں دیکھا۔ ورنہ آپ یہ کہتے نظر آتے۔ آپ تینوں ہی عجیب ہیں۔"

"مان گیا۔ ضرور یہی بات ہوتی۔"

"تو پھر۔ اب تو اس خبر کے بارے میں بتا دیجیے۔"

"ہاں! مجبوری ہے۔ ویسے پہلے آپ یہ خبر ایک بار اور پڑھ لینے دیں۔ میں یہ یقین کرنا چاہتا ہوں کہ میں خواب نہیں دیکھ رہا ہوں۔"

"اس کی گارنٹی ہم دیے دیتے ہیں۔"

"تب پھر سن لیں۔ میں سیٹھ مروان ہوں۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

گہری سازش

چند لمحے تک دونوں اسے تیز نظروں سے گھورتے رہے، پھر ایک نے کہا:

"آپ نے کیا کہا — آپ سیٹھ مروان ہیں؟"

"ہاں! میں سیٹھ مروان ہوں — یہ دیکھیے" یہ کہہ کر اس نے اپنے کاغذات نکال کر ان کے سامنے ڈھیر کر دیے۔

"اس میں شک نہیں کہ آپ سیٹھ مروان ہیں — یا پھر آپ نقلی مروان ہیں — لیکن آپ تھے کہاں — اور شہر میں آتے ہی پہلے اپنے گھر کیوں نہیں گئے، ہوٹل میں کیوں گھس گئے؟"

"میں بھوک کا مریض ہوں — جہاز سے اُتر کر ایک ٹیکسی میں گھر کی طرف جا رہا تھا کہ اچانک بھوک لگ گئی۔ بس میں نے ٹیکسی روک لی — جب بھوک لگتی ہے تو میں بالکل بے دم ہو جاتا ہوں اور اگر بھوک لگنے کے کافی

دیر بعد تک نہ کھاؤں تو حالت بہت خراب ہو جاتی ہے — لہٰذا میں کھانے میں دیر نہیں کرتا — اسی لیے اتر کر ایک ہوٹل میں چلا گیا — وہاں یہ خبر پڑھی — لہٰذا ہوٹل سے نکل کر غور کرنے کے لیے یہاں آ بیٹھا، لیکن آپ کون ہیں — اور میرے معاملے میں اس قدر دلچسپی کیوں لے رہے ہیں؟"

"میں محمود ہوں اور یہ فاروق — آپ کو بار بار ایک ہی خبر پڑھتے سن کر ہمیں بہت حیرت ہوئی تھی — ویسے ہماری حیرت ابھی دور نہیں ہوئی — کیا آپ اپنے بارے میں بتانا پسند کریں گے؟"

"میں سیٹھ مروان ہوں — میرا بہت بڑا کاروبار ہے — تین دن پہلے کاروباری سلسلے میں دوسرے شہر گیا تھا — دراصل میں اس شہر میں بھی ایک مل لگوا رہا ہوں — تین دن بعد لوٹا ہوں تو یہ خبر پڑھی ہے — کہانی تو میری صرف اتنی سی ہے — لیکن یہ اخبار کہہ رہا ہے کہ مجھے قتل کر دیا گیا ہے — اور بطور قاتل پولیس نے میری بیوی اور میرے سالے کو گرفتار کر لیا ہے اور ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ ان کے پاس مکمل ثبوت ہے ان کے قتل کا — آخر وہ بے چارہ میری جگہ قتل ہو گیا اور کس نے کر ڈالا؟"

"کیوں، کیا آپ کی بیگم یہ کام نہیں کر سکتی؟"

"اب میں کیا کہوں — پتا نہیں، وہ ایسا کر سکتی ہے یا نہیں؟"
اس نے بیزار ہو کر کہا۔

"آپ کی خدمت میں ایک مشورہ پیش کریں؟"

"م — مشورہ؟" اس نے چونک کر کہا۔

"ہاں، مشورہ — اگر آپ پسند کریں۔"

"کہیے — کیا کہتے ہیں؟" اس نے کہا۔

"آپ ہمارے ساتھ چلیے۔"

"لیکن کہاں اور کیوں؟"

"ہمارے گھر — ہم آپ کو اس اُلجھن سے نجات دلانے
کی کوشش کریں گے — بشرطیکہ آپ نے کوئی جرم نہ کیا ہو۔"

"جرم اور میں نے — ارے صاحب — مجھے تو مقتول بنا
دیا گیا ہے — میں کیا جرم کروں گا؟" اس نے تلملا کر کہا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں — مشورہ یہ ہے کہ ہمارے ساتھ
ہمارے گھر چلیے — وہاں ہم آپ کو بہترین مشورہ دیں گے
کہ آپ کو اب کیا کرنا ہے۔"

"بہترین مشورہ تو آپ — مجھے یہاں بھی دے سکیں
گے؟" اس نے جھلا کر کہا۔

"نہیں — وہاں مشورہ دینے والے چار ہو جائیں گے —

ہماری بہن اور ہمارے والد۔"

"آپ کے والد کا نام کیا ہے؟"

"انہیں انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"ارے — کیا — تو کیا آپ محمود اور فاروق ہیں؟"

"ہاں، اب آپ نے درست اندازہ لگایا — ویسے اپنے
نام ہم نے پہلے بھی بتائے تھے۔"

"تب تو یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ کے کانوں میں
اس خبر کے الفاظ پڑ گئے — چلیے میں تیار ہوں۔"

"آپ کس شہر میں مل جوا رہے ہیں؟"

"ڈونا پور۔"

"کیا وہاں کے لوگ روتے ہی رہتے ہیں؟" فاروق نے حیران
ہو کر کہا۔

"ارے نہیں — ڈ پر پیش لگا کر پڑھیں۔"

"اچھا ڈونا پور — تو آپ ڈونا پور گئے تھے — اور آپ
وہاں تین دن رہے ہیں؟"

"بالکل،" اس نے فوراً کہا۔

"کیا کچھ لوگ اس بات کی گواہی دیں گے وہاں؟"

"ضرور کیوں نہیں۔"

"شکریہ — چلیے ہمارے ساتھ۔"

اندر وہ اسے گھر لے آئے — فرزانہ نے دروازہ کھولا۔ ان کے والد کا ابھی آنے کا وقت نہیں ہوا تھا — جونہی فرزانہ کی نظر سیٹھ مروان پر پڑی — وہ زور سے چونکی :

"ارے باپ رے — کیا مردہ زندہ ہو گیا ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"تم نے اخبارات نہیں دیکھے ابھی تک آج کے؟"

"نہیں" دونوں بولے۔

"ان صاحب کا نام سیٹھ مروان ہے نا" فرزانہ نے کہا۔

انھوں نے اس کی طرف حیران ہو کر دیکھا، پھر محمود نے کہا :

"فرزانہ جلدی بتاؤ — ہم پہلے ہی بہت اُلجھے ہوئے ہیں۔"

"اخبار میں ان کے قتل کی خبر شائع ہوئی ہے — تصویر کے ساتھ۔"

"اوہ ! تو یہ بات ہے — دراصل ہم نے جو اخبار دیکھا ہے — اس میں ان کی تصویر نہیں ہے۔"

وہ اسے اندر لے آئے — اب فرزانہ کو ساری بات بتائی گئی — اس کی آنکھوں میں بھی حیرت دوڑ گئی —

"آپ اپنے گھر والوں کو بتا کر گئے تھے؟"

"ہاں ! میں نے بتایا تھا کہ میں تین دن کے لیے رُدا پور

جا رہا ہوں۔"

"پھر تین دن سے پہلے آپ کو وہاں کس طرح قتل کر دیا گیا" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"کیا بات کرتے ہیں — میں تو یہاں بخیریت ہوں، آپ کے سامنے" سیٹھ مروان نے بوکھلا کر کہا۔

"میرا مطلب ہے — آخر وہ کون ہے — جس کو آپ کے بدلے میں قتل کیا گیا ہے — پولیس نے آپ کی بیوی اور سالے کو ایسے ہی تو گرفتار نہیں کر لیا ہو گا — انھیں کوئی لاش بھی تو ملی ہو گی — اس لاش کو آپ کی لاش کس طرح [illegible] — اور پولیس کے پاس کیا ثبوت ہے — دراصل [illegible] معلوم [illegible] ہے۔"

"تو ہم ایسا کیوں نہ کریں کہ ان کے گھر ہو آتے ہیں — [illegible] میں ان کی بیگم صاحبہ اور ان کی بیگم صاحبہ کے بھائی [illegible] آتے ہیں، [illegible] اصل صورت حال تو سامنے آئے — پھر ہم انھیں وہاں لے جائیں گے اور بتائیں گے کہ یہ تو [illegible] آخر مرا کون ہے — اور اس کے قتل سے ان کی [illegible] اور سالے [illegible] تعلق ہے۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں" سیٹھ مروان نے کہا۔

"اچھی بات ہے — فرزانہ تم ان کے ساتھ یہیں ٹھہرو —

قریباً چالیس سال تھی۔"

"ان کی لاش کہاں سے ملی؟"

"ان کے سونے کے کمرے سے۔"

"پولیس نے ان کی بیوی اور سالے کو کس ثبوت کی بنا پر گرفتار کیا ہے؟"

"ان کے کمرے سے آلۂ قتل ملا ہے — ایک پستول — اسی سے گولی چلائی گئی — گولی سوتے میں ماری گئی — سیٹھ صاحب کی کنپٹی پر پستول کی نال رکھ کر ٹریگر دبایا گیا — پستول پر ان کی انگلیوں کے نشانات ہیں اور پستول ملا ہے بیگم صاحبہ کے سوٹ کیس سے — کپڑوں میں چھپا ہوا۔"

"لیکن سیٹھ مردان تو یہاں تھے ہی نہیں۔" محمود نے کہا۔

"رات وہ کسی وقت واپس آ گئے تھے — آتے ہی وہ سو گئے۔" اس نے کہا۔

"جب وہ آئے — آپ دروازے پر تھے؟"

"جی نہیں — رات والا چوکیدار دوسرا ہے — اس کی ڈیوٹی بس اب شروع ہونے ہی والی ہے۔"

"اچھا — اس کے سامنے وہ آئے — اندر گئے اور سو گئے۔"

"پھر ان کے سالے نے انھیں گولی ماری — صبح ان کی لاش ملی — پولیس نے آلۂ قتل برآمد کر لیا — چنانچہ ان

ہم ابھی ان کے گھر ہو کر آتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے جواب دیا۔

اور پھر پتا نوٹ کر کے وہ وہاں سے روانہ ہوئے — سیٹھ مردان کی کوٹھی دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئے — اس قدر بڑی اور شان دار کوٹھیاں اس شہر میں انھوں نے کم دیکھی تھیں — دروازے پر ایک باوردی چوکیدار کھڑا تھا — انھیں دیکھ کر بھی اس نے کوئی حرکت نہ کی:

"ہمیں سیٹھ مردان صاحب سے ملنا ہے۔"

"وہ اب اس دنیا میں کہاں — یہ گھر تو اجڑ گیا ہے صاحب! صرف تین دن پہلے یہاں ہر طرح خیریت تھی، اب خیریت نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔"

"کیوں — کیا بات ہے؟"

"سیٹھ مردان کو ان کی بیوی نے اپنے بھائی کی مدد سے قتل کر دیا ہے، لیکن ساتھ ہی پولیس نے انھیں پکڑ لیا ہے۔"

"ارے باپ رے — یہ تو آپ نے بہت خوف ناک خبر سنائی ہے — کیا آپ تفصیل سے بتا سکتے ہیں؟"

"آپ کون ہیں؟"

"سیٹھ مردان صاحب کے دوست۔"

"تب تو آپ ان کے دوست نہیں ہو سکتے — ان کی عمر

[illegible]برے کام نہیں لیا — ان کے مرنے کا انتظار نہیں کیا۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں — سب انھیں برا کہہ رہے ہیں۔"

"سیٹھ صاحب کی لاش کہاں ہے؟"

"ابھی تک پولیس کے قبضے میں ہے۔ آج کسی وقت [illegible]ے گی۔"

"شکریہ!" دونوں ایک ساتھ بولے اور پھر اس علاقے کے [illegible]ولیس اسٹیشن پہنچے — تھانے کے انچارج نے بھی بالکل [illegible] باتیں بتائیں — اب وہ گھر آئے اور سیٹھ مردان کو [illegible]ساتھ لے کر ہسپتال پہنچے۔ مردہ خانے میں انھیں سیٹھ [illegible]مردان کی لاش کے پاس لے جایا گیا — لاش کے چہرے پر [illegible] کپڑا ہٹایا گیا تو سیٹھ مردان بُری طرح اُچھلا، اس کی آنکھیں [illegible] اور خوف سے پھیل گئیں — ادھر ان دونوں کا حال [illegible]ہو گیا — کیونکہ ان کے سامنے ایک اور سیٹھ مردان [illegible] کی صورت میں پڑا تھا —

اب وہ سیٹھ مردان کی طرف اور سیٹھ مردان ان کی [illegible] دیکھ رہا تھا۔

[illegible] کیا ہے سیٹھ صاحب — آپ اصلی ہیں یا یہ مُردہ؟"

[illegible] — اصلی ہوں۔" اس نے کہا۔

[illegible] کون ہے؟"

دونوں کو گرفتار بھی کر لیا گیا — یہی واقعات ہیں نا بس؟"

"جی ہاں بالکل۔"

"کیا ان دونوں نے جرم کا اقرار کر لیا ہے؟"

"سننے میں یہی بات آئی ہے — ہماری تو ابھی ان سے ملاقات ہوئی نہیں۔"

"چوکیدار نے پستول چلنے کی آواز سُنی تھی؟"

"جی نہیں — پستول بے آواز تھا۔"

"مطلب یہ کہ ان کی بیوی اور سالے کا پہلے ہی انھیں قتل کرنے کا پروگرام تھا۔"

"ہاں! اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"لاش کو شناخت کر لیا گیا تھا — وہ کسی اور کی لاش تو نہیں تھی؟"

"جی بالکل شناخت کر لیا گیا تھا — چہرہ پوری طرح محفوظ تھا۔"

"بہت خوب!" محمود نے کہا، پھر اس نے فاروق کی طرف دیکھا۔

"ان کے کتنے بچے ہیں؟"

"سیٹھ صاحب کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔"

"اوہ — اگر وہ قدرتی موت مرتے — تو یہ دولت خود بخود ان کی بیگم کو مل جاتی — مطلب یہ کہ انھوں نے جلدی کی

"م ــ میں کیا کر سکتا ہوں ــ یہ تو میرے خلاف کوئی گہری سازش کی گئی ہے"۔

"پہلے آپ خود کو اصلی سیٹھ مروان ثابت کریں"۔ محمود نے خشک لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہمارے خیال میں جو شخص مرا ہے ــ وُہ اصلی سیٹھ مروان ہے"۔

"نن ــ نہیں ــ یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں"۔

"اس طرح کہ ــ سیٹھ مروان تو مر گیا ــ لیکن اس کی دولت باقی ہے ــ اور دولت حاصل کرنے کا یہ کوئی اچھا ہوا معاملہ ہو سکتا ہے"۔

"نن ــ نہیں ــ یہ غلط ہے ــ میں ــ میں"۔

اس کے الفاظ درمیان میں رہ گئے ــ اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی تھی ــ

مُردہ

انھوں نے نظریں اُٹھائیں ــ لمبے قد کا ایک شخص تیز تیز چلتا ہوا سیٹھ مروان کی لاش کے پاس آ کھڑا ہوا ــ مُردہ خانے کا ایک آدمی اس کے ساتھ اندر آیا تھا ــ

"یہی ہے ان کی لاش"۔

"اُف مالک ــ یہ کیا ہو گیا"۔ اس نے کہا، ابھی اس کی نظر ان پر نہیں پڑی تھی ــ

"جودی خان ــ اِدھر دیکھو"۔ ایسے میں سیٹھ مروان بول پڑا۔ لمبے قد کا آدمی اس قدر زور سے اچھلا کہ وہ سب حیران رہ گئے اور پھر جو اس نے سیٹھ مروان کی طرف دیکھا تو اس کی سٹی گم ہو گئی ــ تھر تھر کانپنے لگا ــ ہسپتال کے باقی ماندہ ملازمین نے بھی جب مردے کی شکل کا آدمی دیکھا ــ تو وہ بھی لگے لرزنے ــ اور کانپنے ــ

"یہ ــ یہ ــ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں ــ سرکار! یہ آپ

ہیں۔ یا آپ یہ ہیں؟" جوری خان نے لرزتے ہوئے کہا۔

"یہ تم بتاؤ۔ کیا میں تمہیں نقلی سیٹھ مروان نظر آتا ہوں؟"

"نن۔ نہیں۔ نہیں تو۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"اور کیا یہ مُردہ آپ کو نقلی سیٹھ مروان نظر آ رہا ہے؟"

محمود نے منہ بنایا۔

"نن۔ نہیں۔ نہیں تو۔" وہ پھر بولا۔

"تب پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟"

"ہم ابھی دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی کیے دیتے ہیں"

"وہ کیسے؟"

"آپ سب باہر آ جائیں۔"

وہ ایک کمرے میں آ کر بیٹھ گئے۔ محمود نے میک اپ کے ماہر اور فنگر پرنٹ کے محکمے کو فون کیا۔ جلد ہی اکرام بھی وہاں پہنچ گیا۔

"کیا معاملہ ہے بھئی؟"

"بہت سنسنی خیز اور پُر اسرار۔ ایک شخص مر کر بھی زندہ ہے اور ایک شخص زندہ ہو کر بھی مردہ ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟" اکرام نے کہا۔

"یہی تو ہم کہہ رہے ہیں کہ یہ کیا بات ہوئی۔ اندر چل کر دیکھیں۔" محمود نے کہا اور انہیں لے کر مُردہ خانے میں آ

"ادھر اس مُردے کو دیکھیے۔"

"ہاں! میں دیکھ رہا ہوں۔"

"اب اس زندہ آدمی کو دیکھیے۔"

"ارے!" اکرام بھی زور سے اُچھلا اور بولا:

"یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں؟"

"جو ہم آپ کو دکھا رہے ہیں۔"

اب انھوں نے ساری بات بتائی اور پھر مردے کے چہرے کا اچھی طرح جائزہ لیا گیا، لیکن میک اپ کے آثار نظر نہ آئے۔ اب زندہ سیٹھ مروان کو چیک کیا گیا۔ اس کے چہرے پر بھی میک اپ کے آثار نظر نہ آئے:

"حیرت ہے۔ میک اپ کے آثار کو ادھر بھی نظر نہیں آ رہے۔"

"اب آپ دستخط کر کے دکھائیں۔ اپنے وہ دستخط جو آپ چیکوں پر کرتے رہے ہیں، معاہدوں پر کرتے رہے ہیں اور اپنی انگلیوں کے نشانات بھی دے دیں۔"

ان کے دستخط لیے گئے۔ انگلیوں کے نشانات لیے گئے۔ پھر وہاں سے دفتر میں آ کر ان کے دستخط ملائے گئے اور انگلیوں کے نشانات بھی ملائے گئے۔ دستخط بالکل مل گئے۔

"اب کیا کریں؟"

"اب انھیں اصل سیٹھ مروان ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

"میرا خیال ہے — اگر ہم فائلوں کا مطالعہ کرلیں اور ان سے کاروباری سوالات پوچھیں اور یہ بالکل درست جوابات دے سکیں تو اور بھی پختہ بات ہو جائے گی۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔"

انھوں نے ویسا ہی کیا اور سیٹھ مروان ہر امتحان میں کامیاب ہوئے — آخر انھوں نے اعلان کرنے کے انداز میں کہا:

"آپ سو فی صد درست سیٹھ مروان ہیں۔"

"تب پھر — وہ کون تھا جو مارا گیا — اور بیگم مروان اور ان کے بھائی کو اسے قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میرا خیال ہے — لگے ہاتھوں ان سے بھی ملاقات کر لی جائے۔"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

اب وہ حوالات تک پہنچے — دونوں کو ساتھ ہی ... گیا تھا — سیٹھ مروان ان کے ساتھ نہیں آئے تھے، انھیں دوسرے مرحلے پر ان کے سامنے لانے کا پروگرام تھا — محمود نے پوچھا:

"آپ بیگم سیٹھ مروان ہیں؟"

"ہاں!" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"اور یہ آپ کے بھائی ہیں؟"

"بالکل ٹھیک!"

"اور آپ دونوں نے مل کر سیٹھ مروان کو ہلاک کیا ہے؟" محمود نے کہا۔

"ہاں! ہماری عقلوں پر پردہ پڑ گیا تھا — ہم نے سوچا تھا کہ پولیس ہم پر شک ہرگز نہیں کر سکے گی اور اس طرح ہم ساری دولت کے مالک بن جائیں گے، لیکن پولیس نے سب سے پہلے ہم پر ہی شک کیا — اور پھر ہم نے بے وقوفی یہ کی کہ پستول بھی اپنے کمرے میں — کپڑوں میں چھپا کر رکھ دیا — پولیس نے سب سے پہلے تلاشی بھی اسی جگہ کی لی۔"

"گویا تم لوگ پہلے سے اس قتل کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے؟" فاروق بولا۔

"مجھے دراصل میرے اس بھائی نے ورغلانا شروع کر رکھا تھا — پہلے تو میں بالکل نہ مانی، لیکن پھر آہستہ آہستہ اس نے مجھے وہ وہ سبز باغ دکھائے کہ میری عقل ماری گئی۔"

"ہوں! لیکن اس میں عجیب بات ایک اور ہے۔ اور وہ یہ کہ سیٹھ مروان تو تین دن کے لیے دوسرے شہر گئے ہوئے تھے؟"

"ہاں! ان کی اچانک اور جلد واپسی پر ہمیں بھی بہت حیرت ہوئی تھی۔ لیکن وہ بہت تھکے ماندے لگ رہے تھے۔ سیدھے اپنے کمرے میں گئے اور بستر پر جا کر سو گئے۔ ہم نے بھی سوچا۔ آج موقع اچھا ہے۔ سفر کی تھکن ہماری مدد کرے گی۔ لہٰذا میں نے اپنے بھائی کو فون کیا۔ یہ فوراً پہنچ گیا۔ اور پھر ہم نے مل کر اس بے چارے کا کام تمام کر دیا۔ افسوس! میرے ہاتھ کیا آیا۔ ساری عمر کی قید یا پھر پھانسی کا پھندا۔ کیا اس سے وہ زندگی بہتر نہیں تھی۔ میں ہر طرح عیش کر رہی تھی۔ سیٹھ مروان مجھے کبھی کسی چیز کے خریدنے سے نہیں روکتے تھے۔ ایک طرح سے میں ان کی دولت کی مالک ہی تھی نا۔ لیکن اب۔ اب کیا رہ گیا۔ اب وہ دولت میرے کس کام آئے گی۔ شاید ہم تو اس دولت سے وکیل بھی نہیں کر سکیں گے۔" اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"واقعی بہت افسوس ناک صورت حال ہے۔ آپ نے

اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری۔ لیکن یہ تو بتائیں۔ آخر آپ کے بھائی نے آپ کو کیا کہہ کر ورغلایا تھا۔ وہ کیا لالچ تھا۔ جو اس نے آپ کو دیا تھا؟"

"لالچ نہیں۔ خوف۔ اس نے مجھے خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔ یہ کہ میرے ہاں اولاد نہیں ہوئی۔ اب سیٹھ مروان دُوسری شادی کرنے والے ہیں۔ وہ دُوسری شادی آج نہیں تو کل کریں گے۔ اور اگر ان کی دُوسری بیوی سے اولاد ہو گئی تو پھر اس ساری دولت اور جائیداد کا مالک وہ بچہ ہو گا۔ مجھے کچھ نہیں ملے گا یا بہت تھوڑا سا ملے گا۔ لیکن اگر ہم اسے ٹھکانے لگا دیں تو پھر یہ تمام دولت ہماری ہے۔ بس یہ یہ خیالات میرے ذہن میں بھرتا چلا گیا۔"

"ہوں! کیوں بھئی۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

"بابا مائی۔"

"پتا بھی لکھوا دیں۔"

"کیوں۔ آپ پتے کا کیا کریں گے؟" اس نے چونک کر کہا۔

"آپ کی عدم موجودگی میں اگر آپ کے گھر والوں کو مدد کی ضرورت ہو گی تو ہم شاید ان کے کسی کام آ سکیں۔"

"اوہ۔۔۔ اوہ" اس کے منہ سے نکلا۔

"کیوں کیا بات ہے؟" محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

"کیا دُنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں۔ جو ایک قاتل کے گھر والوں کی مدد کر سکیں"

"ہاں! کیوں نہیں۔ آخر آپ کے گھر والوں کا کیا قصور ہے۔ قصور تو آپ کا ہے"

"ہم۔ میں شاہی پورہ میں رہتا ہوں۔ مکان نمبر ہے ۹۵ ب"

"شکریہ" اور وہ وہاں سے نکل آئے۔

"لگے ہاتھوں شاہی پورہ بھی ہو آئیں" محمود نے کہا۔

"لیکن پہلے ابا جان سے مشورہ کیوں نہ ہو جائے۔ فی الحال دوسرے سیٹھ مروان کو بھی ہم ان کے گھر میں تو رکھ نہیں سکتے۔ کیوں نہ انھیں اپنے گھر میں بطور مہمان اس وقت تک رکھا جائے جب تک کہ یہ معاملہ حل نہیں ہو جاتا اور اس کی حقیقت کا پتا نہیں چل جاتا"

"بالکل ٹھیک"

وہ گھر پہنچے۔ انسپکٹر جمشید آ چکے تھے۔ انھیں دیکھ کر بولے:

"کہاں گھومتے پھر رہے ہو۔ کیا معاملہ پیش آ گیا ہے

اور یہ کون صاحب ہیں؟"

انھوں نے تفصیل سنا دی۔ انسپکٹر جمشید کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ انھوں نے سیٹھ مروان کو کڑی نظروں سے دیکھا اور بولے:

"اور میک اپ کا ماہر کہتا ہے۔ ان کے چہرے پر میک اپ نہیں ہے؟"

"ہاں!"

"تب میں انھیں اور اس مُردے کو دیکھنا چاہتا ہوں"

"تو پھر چلیے۔ اس لیے کہ مُردہ تو یہاں آنے سے رہا" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہاں چلو"

"اُف توبہ۔ شام کی چائے گول ہو رہی ہے" بیگم جمشید نے گھبرا کر کہا۔

"آپ چائے کی بات کر رہی ہیں امی جان۔ یہاں تو دُنیا تک گول ہے۔ ہم جلد آنے کی کوشش کریں گے" فاروق نے ہنس کر کہا۔

"بس آ چکے تم تو" انھوں نے جل کر کہا۔

اور وہ مسکراتے ہوئے نکل گئے۔ مُردہ خانے میں انسپکٹر جمشید نے مرنے والے سیٹھ مروان کو بغور دیکھا۔

پھر زندہ سیٹھ مروان کو دیکھا — کافی دیر تک وہ دیکھتے رہے — آخر باہر نکل آئے:

"کوئی نتیجہ نکلا؟"

"ابھی تک نہیں — معاملہ حد درجے پُر اسرار ہے — خیر، سیٹھ صاحب — آپ کا کوئی اور بھائی تو نہیں ہے؟"

"جی — جی نہیں — میرے ماں باپ نے میرے بھائی کا ذکر کبھی نہیں کیا — اگر میرا کوئی بھائی ہوتا تو وہ ضرور مجھے بتاتے۔" اس نے کہا۔

"تب پھر یہ معاملہ حل کس طرح ہو گا؟" فرزانہ نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"مجھ سے میرے گھر کے بارے میں ایک ایک چیز پوچھ کر دیکھ لیں — اگر میں ایک فیصد بھی نقلی ثابت ہوا تو مجھے میرے گھر سے نکال باہر کریں۔"

"فی الحال آپ ہمارے ہاں مہمان رہیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا۔

ان کی سرد آواز نے سیٹھ مروان پر کپکپی طاری کر دی۔ اس نے گھبرا کر کہا:

"تو — کیا آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں؟"

"ہاں! شاید — آپ اس بات کو چھوڑیں — اور آرام

سے رہیں — ہم بہت جلد اپنا کام مکمل کر لیں گے۔"

"اچھی بات ہے — شکریہ!"

"اب تم لوگ جو کرنا چاہو، اس بارے میں کر سکتے ہو — میں یہ کیس مکمل طور پر تم تینوں کو سونپتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے گویا حاتم طائی کی قبر پر لات ماری۔

"لیکن ابا جان — ہماری خواہش تھی — ہم یہ کیس مکمل طور پر آپ کو سونپ دیں۔" فاروق نے گھبرا کر کہا — انسپکٹر جمشید ہنس پڑے — اور اندر کی طرف مڑ گئے — انھوں نے سیٹھ مروان کو بھی ساتھ لے لیا۔

اب وہ راجا مانی کے گھر پہنچے — اس کے گھر پر موت کا سناٹا طاری تھا — اس کی بوڑھی ماں اور ایک جوان بہن نے ان کا استقبال کیا:

"اب آپ لوگ ہم سے کیا چاہتے ہیں — کھیل تو ختم ہو گیا ہے۔" اس کی بہن نے کہا۔

"کھیل ابھی ختم نہیں ہوا — اس میں شک نہیں کہ آپ کے بھائی اور بہن نے سیٹھ مروان کا خون کیا ہے، لیکن اس میں ابھی کچھ الجھن ہے — شاید ہم ان دونوں کو بچا سکیں یا کم از کم سزا کم دلوا سکیں۔"

"کیا — کیا ایسا ممکن ہے؟" ماں نے چونک کر کہا — اس کی

دونوں کی آنکھوں میں اُمید کے ہزاروں چراغ جل اُٹھے۔

"ہاں بالکل۔ ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔ اللہ جو چاہیں کر سکتے ہیں نا۔"

"اس میں کیا شک ہے۔"

"تب پھر آپ اللہ پر بھروسا کریں۔ اور ہمیں یہ بتائیں۔ راجا مانی کرتا کیا تھا۔ میرا مطلب ہے۔ کیا کام کرتا تھا؟"

"کپڑوں کی ایک فرم میں ملازمت کرتا تھا۔ وہاں منشی تھا۔"

"اس فرم کا نام؟"

"برادرز اینڈ کمپنی۔" اس نے بتایا۔

"کیا اس کا اُٹھنا بیٹھنا بُرے لوگوں میں تھا؟"

"ہاں، شاید۔ اس کے دوست کچھ اچھے لوگ نہیں تھے۔"

"بہت خوب۔ کیا آپ اس کے چند دوستوں کے نام پتے بتا سکتے ہیں؟"

"جی نہیں۔ اس نے کبھی ان کے نام پتے نہیں بتائے، ویسے وہ اپنے دوستوں کو اکثر گھر لایا کرتا تھا۔ لیکن وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا کرتے تھے۔ خوب ہنستے تھے۔ قہقہے لگاتے تھے۔ کھاتے پیتے تھے۔ جیسے انھیں ہنسنے، قہقہے لگانے، کھانے اور پینے کے سوا دنیا میں اور کوئی کام نہ ہو۔ اسی لیے ہمیں اس کے دوست بالکل اچھے نہیں لگتے تھے۔"

"گویا اس کے دوستوں کے نام اور پتے معلوم کرنے کے لیے ہمیں ایک بار پھر حوالات جانا پڑے گا۔ خیر۔ وہ ہم کر لیں گے۔ آپ یہ بتائیں۔ اب آپ لوگوں کا گزارہ کیسے ہو گا؟"

"ہم دونوں سلائی کرتی ہیں۔ پہلے سے ہی کر رہی ہیں، راجا مانی تو جو کماتا ہے۔ دوستوں میں اڑا دیتا تھا۔ گھر میں تو وہ ایک پیسہ بھی نہیں دیتا تھا۔ لہٰذا اس کے جانے سے گھر کے گزارے کو کوئی فرق نہیں پڑا۔ لیکن تھا تو وہ بھائی اور بیٹا۔ جیسا بھی تھا۔" یہ کہ کر بہن رونے لگی۔

"ہاں! یہ بات تو ہے۔ خیر۔ آپ کو کوئی بھی اُلجھن یا پریشانی ہو تو آپ ہمیں اس نمبر پر فون کر سکتی ہیں۔" یہ کہ کر محمود نے اپنا کارڈ انہیں دے دیا۔

"بہت، بہت شکریہ!"

اور وہ ایک بار پھر حوالات پہنچے۔

"مسٹر مانی۔ تم اپنے چند دوستوں کے نام بتا سکتے ہو؟" ... نے کہا۔

"لیکن آپ میرے دوستوں سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔ ان کا اس معاملے سے کیا تعلق بھلا؟"

"ہم ہر لحاظ سے کیس کو مکمل کرتے ہیں — اس کیس میں
ابھی کوئی کمی ہے؟"

"کمی — کیسی کمی — مجھے تو دور دور تک کوئی کمی نظر نہیں
آ رہی۔"

"یہ کام آپ کا نہیں — ہمارا ہے — آپ مہربانی فرما
کر اپنے دوستوں کے نام پتے لکھوا دیں — یہ ہمارا وعدہ رہا —
انہیں پریشان نہیں کریں گے۔"

"اچھی بات ہے — میرے تین دوست زیادہ قریبی ہیں —
کامل، گانی اور دونی — تینوں ماڈل کالونی میں ساتھ
ساتھ رہتے ہیں — بی بلاک میں ۱۱۲ تا ۱۱۴ نمبر کوٹھیاں
ہیں ان کی۔"

"شکریہ!" محمود نے نوٹ کرنے کے بعد کہا۔

"راجہ مانی — آپ سے ایک سوال — کیا اس جرم میں آپ
کے ساتھ کوئی اور بھی شریک ہے؟"

"جی نہیں۔"

"اچھی بات ہے — ہم کوشش کریں گے کہ آپ دونوں کو
کم سے کم سزا ہو۔"

"یہ — یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" بیگم مروان نے حسرت زدہ
انداز میں کہا۔

وہ ماڈل کالونی کے بی بلاک پہنچے — کوٹھی نمبر ۱۱۲ کے
دروازے پر دستک دی تو ایک کھلنڈرا سا لڑکا باہر نکلا:

"آپ کامل ہیں نا؟"

"جی نہیں — میں گانی ہوں۔"

"اوہ اچھا — آپ راجہ مانی کے دوست ہیں؟"

"دوست تھا — اب کہاں رہ گیا — وہ بے چارہ تو اب
جیل میں ہے۔"

"جیل میں نہیں، حوالات میں — کیا تم اس کی گرفتاری کے
بعد اس سے ملنے گئے؟"

"ن — نہیں — مجھے خوف محسوس ہوا تھا — کہ کہیں پولیس
ہم پر بھی شبہ نہ کرنے لگ جائے۔"

"کیوں، تم پر کیوں شبہ کرے گی پولیس؟" فاروق نے
اسے گھورا۔

"پولیس کا کیا پتا — ویسے آپ کون ہیں؟" اس نے چونک
کر پوچھا۔

"اتفاق بھی ہمارا تعلق بھی پولیس سے ہے۔" محمود نے
مسکرا کر کہا۔

"ن — نہیں — نہیں — میں نے کچھ نہیں کیا — میرا اس معاملے
سے کوئی تعلق نہیں۔" اس نے حد درجے خوف زدہ انداز میں

کہا اور اندر کی طرف بھاگ گیا۔

وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ اس طرزِ عمل کی اُمید انھیں ایک فی صد بھی نہیں تھی۔ محمود نے دروازے پر پھر دستک دے ڈالی۔

اس بار وہ باہر نکلا تو اس کی حالت عجیب تھی۔ وہ بُری طرح چونک اُٹھے۔

دُوسرا بچّہ

اس کا رنگ بالکل زرد پڑ گیا تھا اور وہ برسوں کا بیمار نظر آنے لگا تھا۔

"آخر آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ ارے بھئی۔ آپ فکر نہ کریں۔ ہم آپ پر شک نہیں کر رہے۔"

"کیا واقعی ؟" اس نے کانپتی آواز میں کہا۔

"بالکل !" محمود نے فوراً کہا۔

"لیکن۔ میں تو یہی خیال کر رہا ہوں کہ اب ہمیں بھی تفتیش میں گھسیٹا جانے لگا۔ پولیس ایسے بے شمار کام کرتی ہے۔ ہم آئے دن اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں۔"

"اوہ ! تو آپ اس لیے گھبرا رہے ہیں۔"

"ہاں ! جب سے راجا مانی پکڑا گیا ہے۔ ہر آن ہمیں محسوس ہو رہا ہے۔ کہ جیسے اب پولیس ہمیں بھی گرفتار کرنے آئی کہ اب آئی۔"

"لیکن اگر آپ کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں
ہے تو پھر اس قدر گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟"
"آپ نہیں جانتے ۔ کہ پولیس ۔ م ۔ مگر نہیں ۔ آپ تو
بہت اچھی طرح جانتے ہیں ۔ آپ تو خود پولیس ہیں"
"لیکن ہم وہ والی پولیس نہیں ہیں ۔ جس سے آپ
خوف زدہ ہیں"
"تو پھر؟"
"ہمارا تعلق خفیہ پولیس سے ہے"
"ارے باپ رے ۔ خفیہ پولیس تو اور بھی خطرناک
ہوتی ہے"
"نہیں ۔ یہ آپ کی غلط فہمی ہے ۔ اچھا ۔ اب ہم
چلتے ہیں"
"کہیں ۔ آپ جا رہے ہیں اور ہمیں گرفتار نہیں کریں
گے؟" وہ بولا۔
"کیوں! آپ نے کیا کیا ہے؟"
"ہم نے کیا نہیں کیا؟ سوال تو یہ ہے"
"کیا مطلب؟" تینوں نے چونک کر کہا۔
"ذرا سوچیں ۔ جب راجا نے اپنے بہنوئی کو ٹھکانے
کی باتیں کرنا شروع کیں تو ہم نے اسے ہرگز روکنے

کوشش نہیں کی ۔ اور وہی ہوا ۔ جس کا ڈر تھا ۔ وہ یہ کام
کر گزرا ۔ لیکن دوست ہونے کے ناطے ہمیں اسے روکنا
چاہیے تھا ۔ یہ ہمارا فرض تھا کہ اسے سمجھاتے ۔ لیکن
ہم نے سوچا ۔ کہ اچھا ہی ہے ۔ ہم اس طرح اس کی
دولت سے خوب گلچھرے اڑائیں گے ۔ اب دیکھ لیں ۔ گلچھرے
اڑ رہے ہیں ۔ ایک تو گرفتاری کا خوف ۔ پھر اس بات
کا خوف کہ راجا مالی اور اس کی بہن کا کیا بنے گا"
"تو راجا کو ورغلانے میں آپ لوگوں کا ہاتھ ہے"
"جی نہیں ۔ یہ آپ نے بالکل غلط سوچا ہے ۔ ہمارا اسے
ورغلانے میں کوئی حصہ نہیں"
"چلو ورغلایا نہیں ۔ روکنے کی بھی تو کوئی کوشش نہیں کی"
"ہاں! ہم نے یہ جرم ضرور کیا ہے ۔ اور اگر اس
م کی بنیاد پر آپ ہمیں گرفتار کرنا چاہیں تو ہم حاضر ہیں۔
از کم اس خوف سے تو نجات ملے گی"
"ہم قانونی مشورہ کریں گے ، پھر دیکھیں گے کہ آپ لوگوں
گرفتار کیا جا سکتا ہے ۔ یا نہیں ۔ ویسے جب آپ کو پتا
گیا تھا کہ راجا نے اپنے بہنوئی کو قتل کرنے کا
ام بنا لیا تھا تو پھر آپ کو چاہیے تھا کہ پولیس کو
کر دیتے"

"ہاں! یہ ہمارا جرم ہے۔ اور اسی لیے ہم خوف زدہ
ہیں۔" وہ بولا۔

"اگر اسے آپ لوگوں نے نہیں ورغلایا تو پھر اس کا
مطلب یہ ہے کہ یہ سوچ اس کی اپنی تھی۔"

"اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ اب آپ آرام کریں۔ ہم نے آپ کو
زحمت دی۔"

باقی دونوں دوستوں نے بھی اسی قسم کی باتیں کیں۔ ا
وہاں سے پلٹ آئے۔ اب ان کا رُخ برلاس اینڈ کمپنی
کی طرف تھا۔ وکلا کے دفاتر راجن روڈ پر تھے۔ وہاں انہیں
برلاس اینڈ کمپنی تلاش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔

دفتر کے دروازے پر ایک چپراسی موجود تھا:

"ہمیں برلاس صاحب سے ملنا ہے۔"

"پہلے سے وقت لینا پڑتا ہے جناب۔" اس نے طنزیہ لہجے
میں کہا۔

"اوہو اچھا۔ لیکن ہم لوگ تو راجا مانی کے سلسلے میں
آئے ہیں۔"

"راجا مانی۔ کیا مطلب۔ کیا آپ کا اشارہ اس مجرم کی
طرف ہے۔ جسے پولیس نے حال ہی میں گرفتار کیا ہے۔"

"ہاں بالکل۔ کیا آپ اس کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں؟"

"کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟"

"ایک ملازم کی حیثیت سے وُہ کیسا انسان تھا؟"

"بہت گندہ۔ اس کا کام میز پر کئی کئی دن پڑا رہتا
تھا۔ برلاس صاحب اور دُوسرے وکلا اس پر گرجتے تھے۔
برستے تھے۔"

"لیکن وہ اسے ملازمت سے کیوں نہیں نکال دیتے تھے؟"

"شاید۔ اس نے برلاس صاحب سے کسی کی سفارش کرا
رکھی تھی۔ اسی لیے برلاس صاحب اسے برداشت کرتے
رہتے تھے۔"

"ہُوں! مطلب یہ کہ وہ نکما تھا۔"

"کوئی ایسا ویسا۔" اس نے منہ بنایا۔

"آپ ہمارا یہ کارڈ برلاس صاحب کو دے دیں۔ وُہ
فوراً ہمیں ملاقات کے لیے بُلا لیں گے۔"

"وُہ نہیں بُلائیں گے۔ اندر ملاقاتیوں کی قطار لگی ہے۔"

"سُنیے بھئی۔ ہمارا تعلق خفیہ پولیس سے ہے۔ اگر آپ
اب بھی ہمارا کارڈ اندر نہیں لے گئے تو پھر ہم دوسرا طریقہ
اختیار کریں گے۔"

"اچھی بات ہے۔" اس نے کہا اور کارڈ لے کر اندر چلا گیا۔

جلد ہی وہ باہر نکل آیا اور بولا:

"چلیے جناب! آپ کے کارڈ میں نہ جانے کیا بات تھی — پڑھتے ہی سارا کام چھوڑ دیا۔" اس نے چلّا کر کہا۔

اور وہ اس کے ساتھ ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ کمرہ بہت بڑا تھا — اس کے درمیان میں آبنوس کی میز بچھی تھی — میز کے دوسری طرف ایک ادھیڑ عمر کا آدمی موجود تھا — گول مٹول سا — سُرخ و سفید رنگ کا آدمی — اس کے سر پر ایک بال بھی نہیں تھا۔

"تو آپ انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں؟"

"ہاں جناب!"

"لیکن ہمارا اس معاملے سے کیا تعلق؟"

"راجا مانی آپ کی فرم میں ملازم تھا — آپ اس کا کیس نہیں لڑیں گے؟"

"نہیں — ہم کیس لڑنے کی فیس جب تک نہ لے لیں — اس وقت تک کسی کیس کو ہاتھ میں نہیں لیتے۔"

"اور آپ کی فیس کتنی ہے؟"

"کیوں، کیا آپ ہمیں اس کیس کو لڑنے کے لیے فیس ادا کرنا چاہتے ہیں؟"

"ہاں! ہم چاہتے ہیں — آپ ان کا کیس لڑیں۔"

"اگر آپ فیس ادا کرتے ہیں تو پھر ہم کس طرح انکار کر سکیں گے۔" بزلاس نے خوش ہو کر کہا۔

"تو پھر اپنی فیس بتائیں نا۔"

"پانچ ہزار روپے صرف۔"

"اوہ اچھا۔" محمود نے کہا اور پانچ ہزار روپے جیب سے نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے۔

اس نے حیرت زدہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا اور بولا:

"آخر آپ کو اس کی پیروی کی کیا ضرورت پڑ گئی — جب کہ وہ اقبالِ جرم کر چکا ہے۔"

"پھر بھی آخر اس کی پیروی کرنے کی ضرورت تو ہو گی ہی نا۔"

"ہاں! ٹھیک ہے — اچھا میں اس کیس کی پیروی کروں گا۔" اس نے پین سے پیڈ پر اپنے دستخط کرتے ہوئے کہا — وہ برابر اس کاغذ پر دستخط کرتا چلا گیا — شاید یہ اس کی عادت تھی۔

"بہت بہت شکریہ — یہ رسید لے لیں پانچ ہزار روپے کی اور وکالت نامے پر دستخط کر دیں — راجا کے دستخط میں خود ہی کرا لوں گا۔"

"بہت بہتر۔" انھوں نے ایک ساتھ کہا۔

"لیکن آپ لوگ ایسا کیوں چاہتے ہیں؟"

"ان کا کوئی نہیں ہے ۔ اصولی طور پر آپ کو خود
ان کا کیس اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہیے تھا، لیکن
آپ نے ایسا نہیں کیا ۔ اب وہ خود کو بے یار و مددگار
محسوس کر رہے ہیں ۔ مجرم تو وہ ہیں، لیکن انسان ہیں،
غلطی کر بیٹھے ہیں ۔ ان کے جرم کی سزا انھیں قانون
دے گا ۔ لیکن انھیں بھی تو حق ملنا چاہیے ۔ اور ان
کا حق یہی ہے کہ کوئی اچھا وکیل ان کی وکالت کرے
اور کم از کم ان کی سزا ہی کم کرانے کی کوشش کرے۔"

"میں ایسا ضرور کروں گا۔" برلاس نے کہا۔

وہ اس کے دفتر سے باہر نکل آئے۔

"ابھی تک ہم کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکے ۔ لیکن
میرے ذہن میں ایک بات آ رہی ہے۔" فرزانہ نے سوچ
میں گم لہجے میں کہا۔

"چلو جلدی سے بتاؤ ۔ کیا بات سمجھ میں آ رہی ہے؟"
محمود نے کہا۔

"کیوں نہ ہم سیٹھ مروان کی تاریخ پیدائش کے مطابق
ہسپتال کا ریکارڈ چیک کریں ۔ اس کی نہ ماں زندہ ہے
نہ باپ ۔ ہو سکتا ہے ۔ یہ جڑواں بھائی ہوں۔"

"تب پھر ایک بھائی اتنا عرصہ کہاں غائب رہا؟"

"اسی لیے تو میں ہسپتال میں جانا چاہتی ہوں۔" فرزانہ
نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔"

وہ ہسپتال کے ریکارڈ روم میں پہنچے ۔ اپنے کارڈ
دکھا کر انھوں نے تاریخ پیدائش کے مطابق ریکارڈ نکلوایا،
چالیس سال پرانا ریکارڈ نکلوانے میں بھی انھیں کافی پریشانی
کا سامنا کرنا پڑا ۔ ریکارڈ کیپر بُرے بُرے منہ بناتا رہا ۔
لیکن ان پر تو دھن سوار تھی ۔ انھیں اس سے کوئی غرض
نہیں تھی کہ کوئی اچھے منہ بناتا ہے یا بُرے ۔ آخر ریکارڈ
ان کے سامنے پٹختے ہوئے اس نے کہا:

"لیجیے جناب! یہ رہا ریکارڈ۔"

"بہت بہت شکریہ!"

"اپنا شکریہ اپنے پاس رکھیے ۔ میرے جسم کے اندر اس
وقت تک سو گرام گرد و غبار ضرور جا چکا ہو گا۔"

"ہم آپ کے پھیپھڑوں کی مرمت کرا دیں گے ۔ آپ
فکر نہ کریں۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا ۔ وہ اور بھی
بُرے منہ بنا کر چلا گیا ۔

اور پھر وہ اس ریکارڈ کو کھنگالنے لگے ۔ سیٹھ مروان
کے والد کا نام سیٹھ ریاض اور والدہ کا نام تاج بی بی تھا ۔

جلد ہی یہ دونوں نام ایک جگہ مل گئے۔ رجسٹر پر اس لیڈی ڈاکٹر کا نام درج تھا۔ جس نے کیس کیا تھا۔ اب انھوں نے ہسپتال کے انچارج سے اس لیڈی ڈاکٹر کے بارے میں پوچھا۔

"وہ تو بہت مدت پہلے ریٹائر ہو چکی ہے۔"

"اس کا پتا مل سکے گا؟"

"ہاں! رجسٹروں میں ہوگا۔ وہ بھی آپ کو ریکارڈ کیپر ہی نکال کر دے گا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

اب وہ پھر اسی ریکارڈ کیپر کے پاس پہنچے۔ انھیں دیکھ کر وہ بولا:

"ہو گیا آپ کا کام۔ رجسٹر فارغ ہے؟"

"ہاں! وہ کام تو ہو گیا۔ اب ایک کام اور آ پڑا ہے۔ لیڈی ڈاکٹر سروری کا پتا چاہیے۔"

"گویا پچاس گرام مٹی اور۔"

"ہم آپ کے پھیپھڑوں کی دوبارہ سروس کرا دیں گے۔" فاروق مسکرا دیا۔

"اچھا بابا!" اس نے سرد آہ بھری۔

لیڈی ڈاکٹر کا پتا لے کر وہ اس کے ہاں پہنچے۔ وہ

سرخ و سفید رنگ کی ادھیڑ عمر کی عورت تھی:

"آج سے چالیس سال پہلے سیٹھ ریاض کے ہاں بچہ پیدا ہوا تھا۔"

"جی!!" اس نے حیران ہو کر کہا۔ چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

"لیکن ان کے ہاں ایک نہیں، دو بچے یعنی جڑواں بچے پیدا ہوئے تھے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"ہم آپ سے صرف یہ پوچھنا چاہتے ہیں۔ وہ دوسرا بچہ کہاں ہے؟"

"کیا!!"

وہ بہت زور سے چلائی۔

راجا مانی

اس کی آنکھوں میں بلا کا خوف تھا۔ اعضا تھرتھر کانپ رہے تھے۔

"آپ نے یہ جرم کیوں کیا۔ کیا آپ کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی؟"

"ہاں"۔ اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"تو آپ نے ایک بچہ خود رکھ لیا۔ اور سیٹھ ریاض کے حوالے ایک بچہ کر دیا۔ اور کسی کو بھی پتا نہ چلا کہ سیٹھ ریاض کے ہاں ایک نہیں دو بچے پیدا ہوئے تھے۔"

"ہاں! لیکن آپ کو کس طرح پتا چل گیا؟" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"پہلے آپ یہ بتائیں۔ دوسرا بیٹا کہاں ہے۔ کس حال میں ہے؟"

"میں اسے کھو چکی ہوں۔ اپنے جرم کی سزا بھگت رہی

ہوں"۔ اس نے روتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں اسے چھپا کر اپنے گھر لے آئی تھی۔ لیکن اس شہر میں رکھ نہیں سکتی تھی۔ لہٰذا اسے اپنی بہن کے پاس دوسرے شہر میں چھوڑ آئی۔ پھر اپنا تبادلہ اس شہر میں کچھ سال کے لیے کرا لیا۔ اور جب دانو بڑا ہو گیا تو میں واپس چلی آئی۔ پھر اپنے بیٹے کو بھی یہیں لے آئی۔ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے میں نے اسے اولاد کی طرح پالا۔ میرا خاوند اس بچے کو گھر لانے کے چند سال بعد فوت ہو گیا تھا۔ چونکہ میں چند سال دوسرے شہر میں رہی تھی۔ اس لیے واپسی پر سب نے اسے میرا بچہ ہی خیال کیا۔ مجھے یہ ہمیشہ خوف رہا کہ یہ سیٹھ ریاض کے جڑواں بچوں میں سے ایک ہے۔ کہیں اس کی شکل صورت بالکل دوسرے بچے جیسی نہ ہو۔ اس صورت میں میرے لیے مشکل پیش آ سکتی تھی، چنانچہ میں نے ایک روز چھپ کر سیٹھ ریاض کے لڑکے کو دیکھا اور یہ دیکھ کر دھک سے رہ گئی کہ دانو میں اور اس میں کوئی فرق نہیں تھا۔ پھر میں نے اپنے محکمے سے ریٹائرمنٹ لے لی۔ اور یہ شہر چھوڑ دیا۔ لیکن پھر ایک اور بات

ہوئی ۔ دانو غلط صحبت میں پڑ گیا اور گھر سے بھاگ گیا۔ جب وُہ نہ لوٹا تو میں واپس اس شہر میں آ گئی ۔ لیکن آپ لوگ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"سیٹھ مروان کو اس کی بیوی اور سالے نے قتل کر دیا ہے۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے نکلا۔

"اور اب دوسرا بھائی ہی ساری دولت کا وارث ہے۔"

"کیا!" وہ چلائی۔

"ہاں! لیکن آپ کو اس دولت کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا ۔ کیونکہ آپ کو تو جیل جانا پڑے گا۔"

"نن ۔ نہیں ۔ نہیں۔" وہ چلائی۔

"مجھے افسوس ہے ۔ ہم قانون کے ہاتھوں مجبور ہیں ۔ آپ نے بہرحال جرم کیا ہے۔" یہ کہ کر محمود گھر سے باہر نکل گیا اور اکرام کو فون کیا ۔

اکرام نے وہاں پہنچنے میں دیر نہ لگائی۔ حالات سُن کر اس نے لیڈی ڈاکٹر سروری سے کہا:

"میں آپ کو ہتھکڑی لگا کر نہیں لے جانا چاہتا۔ آپ خود ہی چل کر گاڑی میں بیٹھ جائیں۔"

"شکریہ!" اس نے روتے ہوئے کہا۔

اُن کے دل بھی بھر آئے ۔ لیکن وُہ کر ہی کیا سکتے تھے ۔ گاڑی میں محمود نے اس سے پوچھا:

"کیا اب آپ کو معلوم ہے ۔ وہ کہاں ہے؟"

"نن ۔ نہیں ۔ وہ پھر کبھی لوٹ کر نہیں آیا۔"

اُسے حوالات پہنچا کر وہ گھر پہنچے ۔ انسپکٹر جمشید موجود تھے ۔ دیکھ کر مسکرا دیے:

"کیا کر آئے؟"

انھوں نے رپورٹ سُنا دی ۔ انسپکٹر جمشید گہری سوچ میں گم ہو گئے ، پھر بولے:

"ایسا معلوم ہوتا ہے ، جیسے کسی نے سیٹھ مروان کے بھائی دانو کو دیکھ لیا تھا ۔ بس اس نے ایک پروگرام بنایا ۔ یہ کہ دانو کو سیٹھ مروان کے گھر بھیجا جائے۔ صاف ظاہر ہے ۔ اسے کوئی نہ روکتا۔ ان کا پروگرام یہ تھا کہ جب تین دن بعد سیٹھ مروان واپس آئے تو اسے قتل کر دیا جائے گا ، اس طرح دانو مالک بن جائے گا اور وُہ عیش کریں گے ۔ لیکن دانو کی بدقسمتی کہ اُدھر سیٹھ مروان کی بیوی اور سالے نے اسے ہلاک کرنے کی ٹھان رکھی تھی ۔ وہ اندر آیا اور ان کے ہاتھوں مارا گیا ۔ اب سوال یہ ہے کہ وُہ کون ہے ۔ جس نے دانو کی پرورش کی ہے اور جس نے اسے

یہاں سیٹھ مروان کی جگہ لینے کے لیے بھیجا تھا۔"

"اس بارے میں صرف اور صرف ایک آدمی بتا سکتا تھا۔ یعنی رانو۔ لیکن اب وہ اس دُنیا میں نہیں ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ ہم اپنے طریقے سے اس تک پہنچیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن ابّا جان۔ کیسے؟"

"کیسے کا جواب ابھی میرے پاس نہیں ہے۔ فرزانہ۔ تم کوئی ترکیب سوچ سکتی ہے؟"

"جی ہاں، کیوں نہیں۔ اس کیس سے متعلق ہر آدمی کی نگرانی شروع کرا دی جائے۔ یہاں تک کہ لیڈی ڈاکٹر سروری کی بھی۔ اگرچہ وہ اب حوالات میں ہے۔"

"بالکل ٹھیک۔ یہ کام میں ابھی شروع کرا دیتا ہوں۔ ایک اور بات میرے ذہن میں الجھن بنی ہوئی ہے۔"

"اور وہ کیا ابّا جان؟"

"ہم فرض کر لیتے ہیں۔ کہ رانو سیٹھ مروان کی جگہ لے لیتا۔ اور ہمیں پتا نہ چلتا۔ تو کیا اس کے چلنے پھرنے کا انداز، کام کاج کرنے کا طریقہ۔ سب کچھ بدل جاتا۔ آخر وہ سیٹھ مروان والے دستخط چیک بکوں پر کیسے کرتا؟"

"یہ کوئی مشکل نہیں۔ بعض لوگ جعلی دستخط کرنے میں

ماہر ہوتے ہیں۔ ہو سکتا تھا۔ رانو نے اس کام میں خوب مہارت حاصل کر رکھی ہو۔ اور دیکھا جائے تو اسے یہ مہارت سکھائی گئی ہو گی۔"

"لیکن اس نامعلوم آدمی کا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا۔ اسے یہ معلوم ہو گیا کہ رانو مارا گیا ہے اور لوگ مارے جانے والے کو سیٹھ مروان خیال کر رہے ہیں، لہٰذا ناکامی کے باوجود وہ دل ہی دل میں مسکرا رہا ہو گا۔"

"ہوں! مطلب یہ ہوا کہ ہمیں ایک ایسے آدمی کو تلاش کرنا ہے۔ جس نے رانو کو پال پوس کر جوان کیا اور اسے جرائم کے طریقے سکھائے۔ لیکن اس نے اسے ہرگز نہیں بتایا ہو گا کہ وہ سیٹھ مروان کا بھائی ہے، صرف یہ بتایا ہو گا کہ وہ اس کا ہم شکل ہے۔"

"ہاں! اور اب میرے ذہن میں ایک عدد ترکیب ابھار رہی ہے۔" فرزانہ نے پُرجوش آواز میں کہا۔

"واہ! پھر تو مزا آ گیا۔ ترکیب بتاؤ۔" انسپکٹر بولے۔

"لیڈی ڈاکٹر سروری کے ایسے ملنے جلنے والے کو تلاش کیا جائے۔ جس کا ملنا جلنا سیٹھ مروان سے بھی رہا ہو۔" فرزانہ نے کہا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

فرزانہ کی ترکیب نے ان پر جوش طاری کر دیا:
"میرا خیال ہے۔ اب ہم اس نامعلوم آدمی کو تلا[ش]
کر لیں گے۔ خیر۔ اب اس کیس میں میں بھی تمہارا
ساتھ دوں گا۔"
"خدا کا شکر ہے کہ آپ بھی ساتھ دینے پر تُلے تو[...]"
فاروق نے منہ بنایا۔
اور وہ مسکرانے لگے۔ پھر وہ لیڈی ڈاکٹر سروری کے
گھر آئے۔ سروری کو گرفتار کرنے کے بعد یہاں "تالا"
لگا دیا گیا تھا۔ انھوں نے "تالا کھولا اور اندر داخل ہو[...]
گئے۔ لیڈی ڈاکٹر کے ملنے جلنے والوں، عزیزوں اور رشت[...]
وغیرہ کے جتنے بھی نام مل سکے۔ انھوں نے ان سب
ناموں کی ایک فہرست بنا لی۔ اس فہرست کو [...]
سے پڑھا۔ اب وہ سیٹھ مروان کے ہاں پہنچے۔ [...]
میں فاروق نے کہا:
"اس میں شک نہیں کہ فرزانہ کی ترکیب شان[دار ...]

[...]ہے۔ لیکن اگر ایک سے زائد نام دونوں طرف مل گئے تو
[ہم] کیا کریں گے؟"
"ان ناموں کو چیک کریں گے۔"
"ہاں ٹھیک ہے۔"
سیٹھ مروان کی ڈائریوں، نوٹ بکوں اور کاروباری فائلوں
[...]ے بھی جتنے نام انھیں ملے، ان کی ایک فہرست بنائی
[گئ]ی۔ یہ ایک لمبا کام تھا۔ سیٹھ مروان کے ملنے جلنے
[و]الے ان گنت نام تھے، جب کہ ڈاکٹر سروری کے ہاں
[...] کام زیادہ لمبا نہیں محسوس ہوا تھا۔ اب سارے نام سامنے
[آ]گئے۔ دونوں طرف کے ناموں کا جائزہ لیا گیا۔ اور
[...]دیکھ کر انھیں سخت حیرت ہوئی کہ صرف ایک نام ایسا
[تھ]ا۔ جو اُس طرف بھی تھا اور اس طرف بھی۔ جونہی وہ
[نا]م ان کے سامنے آیا۔ وہ بہت زور سے اُچھلے۔
"اُف مالک۔ کیا یہی شخص مجرم ہے؟"
"ابھی یہ بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی۔ چیکنگ
[کرنی]پڑے گی۔ بلکہ اب میں ایک تجربہ کروں گا۔
[...] تجربہ۔ اگرچہ وہ تجربہ میرے لیے مشکل ثابت ہوگا۔
[...]یے کہ میں نے راز کو بولتے چالتے، چلتے پھرتے
[د]یکھا۔ خیر۔ ہم خیال کر لیتے ہیں۔ کہ راز سیٹھ مروان

کی طرح بوتا چلاتا ہوگا — تبھی تو اسے اپنی کامیابی کا یقین ہوگا۔"

"آخر آپ کرنا کیا چاہتے ہیں؟"

"بس تم دیکھتے جاؤ — بہت مزا آئے گا اس کیس میں۔" انھوں نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن ابا جان! آپ کو تو ہر کیس میں بہت مزا آتا ہے۔" فاروق بولا۔

"نہیں بھئی — بہت مزا کم کیسوں میں آتا ہے — اور وہ کیس ایسے ہوتے ہیں — جن میں پہلے تو مجرم کا پتا چلانا مشکل ہوتا ہے — اور جب پتا چل جائے تو اسے پکڑنا مشکل ہوتا ہے — اس کیس میں بھی ایسا ہی ہے — ہم اندازہ تو لگا چکے ہیں کہ مجرم کون ہے — لیکن اس کے خلاف ثبوت کوئی نہیں ہے — اسے مجرم ثابت کرتے ہوئے بہت مزا آئے گا۔"

"چلیے خیر — اچھا ہی ہے — آپ کو مزا آ جائے گا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"لیکن اب ہم کیا کریں — ہمیں بھی تو کوئی کام بتائیں۔"

"میرے خیال میں تو تم لوگوں کے لیے اب کوئی کام نہیں ہے — باقی کام میں خود کر لوں گا۔" وہ مسکرائے۔

"گویا راوی ہمارے لیے عیش ہی عیش لکھتا ہے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"راوی کو اور آتا ہی کیا ہے۔"

"ہاں! یہ بھی ہے — بے وقوف کہیں کا — سوائے عیش لکھنے کے اور کچھ لکھنا جانتا ہی نہیں۔" فاروق ہنسا۔

"اچھا! تم یوں کرو — مجرم کی نگرانی شروع کر دو — ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

"اچھی بات ہے۔"

وہ ان کے پاس سے اٹھ کر مہمان کے کمرے میں آئے، یہاں سیٹھ مردان آرام کر رہا تھا۔

"کہیے کیا بنا؟"

"بس! مجرم ہماری مٹھی میں ہے۔"

"اوہو اچھا — تو پھر آپ اسے گرفتار کیوں نہیں کرتے؟"

"ثبوت کی تلاش ہے — جونہی ثبوت ملا، ہم اس پر ہاتھ ڈال دیں گے۔" محمود نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"تو کیا اب میں اپنے گھر جا سکتا ہوں — میں یہاں بور ہو رہا ہوں۔"

"یہ ہماری نالائقی ہے کہ آپ بور ہو رہے ہیں — آپ کو گھما لائیں۔"

"لیکن میں اپنے گھر کیوں نہیں جا سکتا"
"ابھی نہیں — کیس مکمل ہونے پر ہی آپ جا سکیں گے"
"اور کیس کب مکمل ہو گا؟" اس نے جھلا کر کہا۔
"بہت جلد — آئیے ہم آپ کو کہیں لے چلتے ہیں"
آخر وہ اسے ساتھ لے کر گھر سے نکلے؛
"راجا مانی آپ کے ساتھ ہی رہتا تھا — یا اپنے گھر میں" محمود نے کہا۔
"ساتھ ہی رہتا تھا"
"آپ نے اپنی زندگی میں کبھی اس شخص کو دیکھا تھا۔ جو اب مردہ پڑا ہے"
"نہیں — اگر دیکھا ہوتا تو اب اس قدر حیران کیوں ہوتا؟"
"ہوں! بات ٹھیک ہے — ویسے آپ نے اب تک کیا خیال قائم کیا ہے — وہ کون ہے؟"
"میرا ہم شکل — کیونکہ یہ بات آپ چیک کر چکے ہیں کہ وہ میک اپ میں نہیں ہے"
"ہاں! یہ ٹھیک ہے — وہ میک اَپ میں نہیں ہے، نہ آپ میک اَپ میں ہیں"
"تب پھر اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے — کہ وہ میرا ہم شکل ہے"

"ایک بات اور بھی کہی جا سکتی ہے" محمود نے مسکرا کر کہا۔
اب وہ کار میں بیٹھے سڑک ناپ رہے تھے۔
"اور وہ کیا؟" وہ چونکا۔
"کہیں وہ آپ کا جڑواں بھائی تو نہیں تھا"
"کیا!!"
وہ بہت زور سے چلا اُٹھا۔

کیا کہتے ہو

اس کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں:

"یہ — یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" وہ جیسے خواب میں بولا۔

"ہم ایسے موقعوں پر ایک بات کہا کرتے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"جی — کیا مطلب — کیا کہا کرتے ہیں آپ؟"

"یہ کہ ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔"

"لیکن کیسے — اگر میرا کوئی جڑواں بھائی ہوتا تو میرے ماں باپ نے مجھے بتایا تو ہوتا۔"

"یہ ایک عجیب کہانی ہے۔"

"تو پھر آپ مجھے بتائیں نا — وہ عجیب کہانی کیا ہے۔"

"ابھی نہیں — ہمارے والد ایک تجربہ کرنے والے ہیں اس تجربے کے بعد آپ کو بتائیں گے۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"آپ لوگوں نے مجھے الجھن میں مبتلا کر دیا ہے۔"

"اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔" فاروق نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

"آپ لوگ کوئی چکر تو نہیں چلا رہے میرے خلاف؟" اس نے چونک کر کہا۔

"تو آپ کے خیال میں آپ کے خلاف کوئی چکر چلایا جا سکتا ہے؟"

"ہاں: کیوں نہیں — کیا خبر — اس قتل کی سازش میں آپ مجھے ہی پھانسنے کے چکر میں ہوں۔"

"ہم آپ کو ایک بات بتا دیتے ہیں — ہم بلاوجہ کسی کو نہیں پھانستے — کوئی مجرم ہو تو ضرور اسے پھانسنے کی کوشش کرتے ہیں — اس کے گرد جال بچھا دیتے ہیں اور وہ آخر اس جال میں بری طرح پھنس جاتا ہے۔"

"تو آپ میرے گرد اب کوئی جال بچھا رہے ہیں۔"

"آخر آپ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟"

"اس لیے کہ میں نے آپ کی باتیں سن لی ہیں — جو آپ اپنے والد سے کر رہے تھے — آپ کو مجرم کی نگرانی کا کام سونپا گیا ہے اب — اور آپ مجھے ساتھ لے کر نکل پڑے ہیں — نگرانی کرنے کا یہ کتنا اچھا طریقہ ہے۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"اوہ! تو یہ بات ہے۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔ لیکن میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔"

"تب پھر آپ کو پریشانی کیا ہے۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔"

"آپ کا جال کہیں مجھے مجرم نہ ثابت کر دے۔" اس نے کہا۔

"ہمارا جال اتنا غلط جال نہیں ہوتا۔ وہ بالکل درست آدمی کے گرد بُنا جاتا ہے۔ اگر مجرم آپ ہیں تو پھر وہ ضرور آپ کے گرد ہر لمحے تنگ ہوتا جائے گا۔"

"اور محمود۔ تم نے ایک بات کی طرف دھیان نہیں دیا۔" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

محمود نے فوراً آئینے میں دیکھا۔ سُرخ رنگ کی ایک کار ان کے پیچھے تھی:

"کیا یہ کار ہمارا تعاقب کر رہی ہے؟"

"میں نے تو یہی اندازہ لگایا ہے۔"

"ابھی چیک کر لیتے ہیں۔"

یہ کہہ کر محمود نے کار آہستہ کر لی اور سڑک کے ایک طرف ہو گیا۔ سُرخ کار کی رفتار بھی کم ہو گئی۔ اور ان سے آگے نکلنے کی بجائے اور پیچھے ہو گئی۔ محمود نے یکلخت کار تیز کر دی۔ سُرخ کار بھی تیز ہو گئی۔

"اب میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ تعاقب کر رہی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب کار شمالی سڑک کی طرف لے چلو، ہم ذرا اس سے ملاقات کر لیں۔ یہ کون ہے اور کیوں ہمارا تعاقب کر رہا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"او کے۔" محمود نے کہا اور پھر کچھ دیر بعد وہ شمالی سڑک پر اڑے جا رہے تھے۔ سرخ کار بدستور ان کے تعاقب میں تھی۔ شمالی سڑک پر انھیں ایک ایسی جگہ معلوم تھی۔ جہاں کار بیک کرنا بہت مشکل کام تھا۔ چنانچہ محمود نے اپنی کار اس جگہ سے کچھ آگے لے جا کر یک دم روک دی اور روکی بھی سڑک کے بالکل درمیان میں۔ دوسری طرف سُرخ کار بھی رک گئی۔

اب وہ کار سے اتر کر اس کی طرف بڑھنے لگے۔ سیٹھ مروان کو انھوں نے ساتھ نہیں لیا تھا۔ انھوں نے اس کے چہرے پر خوف کے آثار صاف دیکھے۔

سرخ کار میں انھیں ایک نوجوان لڑکی بیٹھی نظر آئی۔

"یہ آپ نے سڑک کس خوشی میں روکی ہے؟" لڑکی نے تنک کر کہا۔

"جس خوشی میں آپ تعاقب کر رہی ہیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکی۔ اس نے ابھی تک کار سے باہر نکلنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"مطلب یہ کہ آپ ہمارا تعاقب کیوں کر رہی ہیں۔ ہم نے آپ کا کیا بگاڑا ہے؟"

"آپ میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ اور میں کیوں کرنے لگی آپ کا تعاقب" اس نے جھلا کر کہا۔

"اچھا۔ آپ تعاقب نہیں کر رہی تھیں۔ ہمیں وہم ہوا ہے۔"

"ہاں بالکل۔ راستا چھوڑیے۔"

"پہلے ہم آپ کی کار کی تلاشی لیں گے۔"

"کیوں۔ کیا بات ہے؟"

"ہم چاہیں تو اس کیوں کا جواب دیے بغیر تلاشی شروع کر سکتے ہیں، لیکن ہم ایسا نہیں کریں گے۔"

"تو پھر کیا کرنے کا ارادہ ہے؟"

"اس کیوں کا جواب دے کر تلاشی لیں گے۔ چونکہ آپ ہمارا تعاقب کر رہی تھیں، اس لیے ہم بھی آپ کی تلاشی لینے کا حق رکھتے ہیں۔"

"میں آپ لوگوں کو پولیس کے حوالے کر دوں گی۔ راستا چلتی لڑکیوں کو تنگ کرتے ہیں۔"

یہ کہ کر اس نے کار میں لگے فون پر جلدی جلدی چند ہندسے ڈائل کیے۔ پھر سلسلہ ملتے ہی بولی:

"ہیلو ایمرجنسی پولیس۔ شکریہ۔ شمالی سڑک پر اس وقت مجھے تین غنڈوں نے روک رکھا ہے۔ فوراً آئیے۔ جی۔ چوتھا کلومیٹر ہے شاید۔ شکریہ!"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے ریسیور رکھ دیا اور تنک کر بولی:

"پولیس فوراً آیا چاہتی ہے۔"

"ہم اس کا استقبال کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

"بہت دلیر ہیں آپ۔"

"اس تعریف کے لیے ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔" فاروق نے ہنس کر کہا۔

"ڈھیٹ بھی ہیں۔" لڑکی نے تلملا کر کہا۔

"اس عزت افزائی کے لیے مزید شکریہ۔"

"پتا نہیں۔ آپ کس مٹی کے بنے ہوتے ہیں۔"

"اس بارے میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

"اب آپ سے کون مغز مارے۔ میں پولیس کے آنے تک خاموش رہوں گی۔"

"ہم بھی آپ کو بولنے کی زحمت نہیں دیں گے۔ آو بھئی۔"

محمود نے کہا اور اپنی کار کی طرف مڑنے لگا۔

"نہیں — میں آپ لوگوں کو اب بھاگنے نہیں دوں گا۔"

"ہم بھاگ نہیں رہے — پولیس کے آنے تک اپنی کار میں بیٹھے ہیں جا کر۔"

"جائیے جناب — جائیے۔" لڑکی طنزیہ بولی۔

جونہی وہ اپنی کار تک پہنچے — بُری طرح اچھلے۔ ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

"ارے — سیٹھ مروان صاحب کہاں گئے۔" فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

"انھی سے پُوچھ لیتے ہیں۔"

"پاگل تو نہیں ہو گئی — وہ نظر ہی نہیں آ رہے۔"

"سیٹھ صاحب — آپ کہاں ہیں — جہاں بھی ہیں — فوراً لوٹ آئیں — ہم آپ کو کچھ نہیں کہیں گے۔" فارُوق نے ہانک لگائی۔

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔ سڑک پر اس جگہ دائیں بائیں کھائیاں تھیں — کھائیوں میں جگہ جگہ ٹیلے تھے — اس جگہ اگر کوئی کار سے اُتر جاتا تو اس کا نظر آنا کافی مشکل تھا — انھوں نے دائیں بائیں سیٹھ مروان کو دیکھنے کی کوشش کی، لیکن وہ نظر نہ آیا۔

آخر ایک بڑی گاڑی کی آواز سُن کر وہ مڑے — ٹھیک ان کی کار کے پیچھے ایک گاڑی آ کر رُکی تھی — اور اس میں سے دس کے قریب آدمی اترے تھے — ان کے ہاتھوں میں کلاشن کوفیں تھیں — اور ان کا رُخ ان کی طرف تھا۔

"کیا مطلب — یہ کیا بات ہوئی۔"

"اب تم لوگ اپنی کار میں بیٹھ جاؤ — اور آگے بڑھو۔ سڑک تمھاری اپنی تجویز کردہ ہے — ہمارا اس میں کوئی قصور نہیں۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"تو اس لڑکی نے پولیس کو نہیں — تمھیں فون کیا تھا۔" فارُوق نے جھلا کر کہا۔

"یہ بھی کوئی پُوچھنے کی بات ہے۔" ایک نے ہنس کر کہا۔

وہ جھلا کر اپنی کار کی طرف بڑھ گئے — کار میں بیٹھے اور آگے بڑھے — اپنے آگے اچانک انھیں ایک سفید کار نظر آنے لگی — اس میں بھی دو آدمی کلاشن کوفیں لیے بیٹھے تھے — کلاشن کوفوں کے رُخ ان کی کار کی طرف تھے — گویا دو آدمی پچھلی سیٹ پر ان کی طرف رُخ کر کے بیٹھے تھے — اور پیچھے بھی ان کی کار کے ساتھ ہے کار آ رکتے تھے۔

"بُرے پھنسے۔" محمود بڑبڑایا۔

"لیکن سیٹھ مروان کہاں ہیں؟"

میرا خیال ہے — وہ خوف زدہ ہو کر کار سے اتر گئے اور اِدھر اُدھر کہیں چھپ گئے ہیں — خود ہی گھر پہنچ جائیں گے" محمود بولا۔

"لیکن کس کے گھر — ہمارے یا اپنے — وہ تو اپنے گھر جانے کے لیے بے چین تھے"

"چلو خیر — جہاں بھی پہنچ جائیں گے، پہنچ جائیں — بس ہمیں ابا جان کے سامنے شرمندگی نہ ہو"

وہ دونوں کاروں کے درمیان چلتے رہے — یہ علاقہ سنسان تھا اور اس طرف بہت کم گاڑیاں آتی تھیں — یوں بھی آگے جا کر یہ سڑک بند ہو جاتی تھی، کیونکہ آگے پہاڑی سلسلہ شروع ہو جاتا تھا اور اس کے بعد سمندر تھا۔

پہاڑی سلسلہ شروع ہونے پر ہی اگلی کار رُکی — انہیں بھی رکنے کا اشارہ کیا گیا — پھر دس کلاشن کوفوں کے سائے میں انہیں ایک طرف لے جایا گیا — تینوں گاڑیاں وہیں کھڑی رہ گئیں — پہاڑیوں کے درمیان انہیں ایک پتھروں سے بنا مکان نظر آیا — وہ انہیں اس مکان میں لے آئے —

"بہت خوب! تو تم انہیں لانے میں کامیاب رہے" ایک آواز سنائی دی۔

انھوں نے چونک کر دیکھا، ان کے سامنے ایک نقاب پوش کھڑا تھا — وہ سر سے لے کر پیر تک سیاہ لباس میں تھا —

"انھیں یہاں لانا تو بہت ہی آسان کام ثابت ہوا باس" ان میں سے ایک نے کہا۔

"ٹھیک ہے — لیکن وہ سیٹھ مروان"

"وہ — وہ تو ان کا ساتھی نہیں تھا"

"اچھا کمال ہے — نگرانی کرنے والوں نے تو رپورٹ دی تھی کہ یہ لوگ اس کے ساتھ نکلے ہیں"

"تب پھر وہ درمیان میں کہیں اتر گیا ہوگا"

"کیوں بھئی — تم کچھ کہنا پسند کرو گے"

"فرمائیے — ہم کیا فرمائیں" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"سیٹھ مروان کہاں ہے"

"کاریں جس جگہ رُکی تھیں — سیٹھ مروان وہیں اتر گیا تھا"

"اوہ! یہ بُرا ہوا — جاؤ اسے تلاش کرو — تاکہ اس ٹکڑے کا خاتمہ ہو جائے اور انسپکٹر جمشید کو بھی گھیر کر یہاں لے آؤ — اسے فون کرو — اس کے تینوں بچے ہمارے قبضے میں ہیں — اگر ان کی زندگیاں پیاری ہیں — تو ناک کی سیدھ میں چلے آؤ — ورنہ ان کی لاشیں ملیں گی — اس

کا لہجہ بہت سرد تھا۔

"او کے سر۔"

ان میں سے پانچ فوراً باہر نکل گئے۔ باقی وہیں کھڑے رہ گئے۔ ان کی کلاشن کوفیں ان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

ایسے میں باس ان کی طرف مڑا:

"ہاں! اب تم کہو۔ کیا کہتے ہو؟"

پیارے مجرم

"ہم اس کے علاوہ کیا چاہ سکتے ہیں کہ آپ خود کو قانون ے حوالے کر دیں۔ جرم سے توبہ کریں۔ ایک اچھے اور ک انسان بن جائیں۔"

"تم لوگ ایک دم بے وقوف ہو۔" اس نے بھنا کر کہا۔

"ہم نے آپ کی بات کا برا نہیں مانا۔" فاروق مسکرایا۔

"بند کر دو انھیں۔ اور باندھ بھی دینا۔ سنا ہے، یہ ہم وں کی قید سے فرار ہونے میں بہت ماہر ہیں۔ آج ان مہارت کا بھی بھانڈا پھوٹ جائے گا۔"

"مہارت کا بھانڈا۔ بھئی واہ۔ یہ تو کسی ناول کا نام ہو ہے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

کیا مطلب۔ ناول کا نام۔ کیا تم ناول نگار ہو۔ میں نے ہے۔ تم انسپکٹر جمشید کے بچے ہو۔"

و کیا انسپکٹر جمشید کے بچے ناول نگار نہیں ہو سکتے۔" محمود

نے منہ بنایا۔

"ہاں! نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ تم تو جاسوس ہو
اور جاسوس ہونا اور بات ہے۔ مصنف ہونا اور بات۔"

"یہ بات آپ نے بالکل ٹھیک کہی۔ فاروق چاہے کچھ
بھی کرے۔ ایک رائٹر نہیں بن سکتا۔" فرزانہ نے خوش ہو
کر کہا۔

"اچھا! یہ بات ہے۔ اب میں رائٹر بن کر دکھاؤں
گا۔" فاروق بولا۔

"اگر ایسا ہو گیا تو ہم بھی تمہیں مان جائیں گے۔"

"اس کیس سے فارغ ہو کر میں پہلا کام یہی کروں
گا۔ یعنی ایک عدد ناول لکھوں گا اور پھر ایک عدد پبلشر
سے ملاقات کروں گا۔ ناول اسے دے دوں گا۔"

"پھر یہ ہو گا کہ پبلشر ایک عدد وعدہ تم سے کر
گا کہ فلاں دن آنا۔ میں اس وقت تک پڑھ لوں
اور بتاؤں گا کہ ناول قابلِ اشاعت ہے یا نہیں۔
وہ اس تاریخ تک ہرگز نہیں پڑھے گا اور تمہیں
پر چکر لگوائے گا۔ اس طرح تم تھک ہار کر بیٹھ جاؤ
اور ناول کی اشاعت ایک خواب بن کر رہ جائے گی
"اس لمبی چوڑی تقریر کی یہاں کوئی ضرورت تو نہیں

"تم لوگ دماغ چاٹ جانے کے ماہر ہو گیا۔" باس نے
ڑا کر کہا۔

"پتا نہیں، ہم کس چیز کے ماہر ہیں اور کس چیز کے نہیں۔"

"ان لوگوں کو فوراً لے جاؤ۔ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں
گا۔ جب کہ ابھی مجھے ان کے باپ سے بھی ملاقات
کرنا ہے۔"

اور انہیں ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ یہ کمرہ بھی
پتھروں سے بنایا گیا تھا اور اس کا دروازہ بھی پتھر کا تھا۔
پھر یہ کہ انہیں باندھ بھی دیا گیا تھا۔

"یہ بیٹھے بٹھائے ہم نے کیا مصیبت مول لے لی بھئی۔"

"کوئی بات نہیں۔ کھڑے کھڑائے تو ہم مصیبت مول لیتے
ے رہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اب یہ ہمارے بل پر ابا جان کو بھی یہاں بلائے گا۔"

"یہ اور اچھا ہے۔ وہ یہاں آ جائیں گے تو کھیل ختم ہو
جائے گا۔ اب تو ہمیں مجرم کے خلاف ثبوت حاصل
کرنے کی بھی ضرورت نہیں رہ گئی۔ مجرم نے خود ہی اپنے
خلاف ثبوت پیش کر دیا ہے۔ جب اسے رنگے ہاتھوں پکڑا
جائے گا تو پھر عدالت میں اسے مجرم ثابت کرنا ذرا بھی
مشکل کام نہیں ہو گا۔"

"اور میں سیٹھ مروان کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ آخر وہ حضرت چُپ کرکے کہاں کھسک گئے۔ ویسے میں ایک بات اور سوچ رہا ہوں۔ اور وہ یہ کہ جس جگہ ہم لوگ رُکے تھے۔ اس جگہ سے یہ جگہ زیادہ دُور نہیں ہے۔ اور سڑک چھوڑ کر پہاڑی راستے سے بہت ہی جلد یہاں تک پہنچا جا سکتا ہے۔"

"ہاں! ٹھیک ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ سیٹھ مروان یہیں کہیں ہیں۔ زیادہ دُور نہیں ہیں۔"

اچانک باہر کہیں ایک فائر کی آواز سنائی دی۔ ان کے کان کھڑے ہو گئے۔ پھر بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔ دروازے میں درزیں وغیرہ تھیں۔ اس لیے وہ باہر دیکھ سکتے تھے۔ انھوں نے آنکھیں درزوں سے لگا دیں۔ کوئی کہہ رہا تھا:

"باس! مُبارک ہو۔ ہم انسپکٹر جمشید کو لے آئے ہیں۔"

"پھر تو مار لیا میدان۔ ہمارا کام آسان ہو گیا۔" باس نے ہنس کر کہا۔

"وہ دیکھیے۔ ہمارے ساتھی اسے کس طرح گھسیٹ کر لا رہے ہیں۔"

"اوہ! بے چارے کے ساتھ اس قدر بُرا سلوک تو نہ

کرنا چاہیے تھا۔ عزت اور احترام سے یہاں تک لانا چاہیے تھا۔ کون ہے۔ جس نے اسے اس طرح لانے کی کوشش کی؟"

"کوڑے نے باس!" اس نے گھبرا کر کہا۔

"کوڑے کی تنخواہ آج سے دوگنی۔"

"جی باس ... آپ نے کیا کہا؟"

"ہاں! مجھے اس شخص سے شدید ترین نفرت ہے۔ بلاوجہ اس نے ہمارا کھیل خراب کر دیا۔ کروڑوں کی دولت سے محروم کر ڈالا۔ اب اسے سزا تو دینا تھی نا۔"

"لیکن باس۔ کروڑوں کی دولت تو ہم اب بھی حاصل کر سکتے ہیں۔"

"وہ کیسے؟"

"سیٹھ مروان کو ہلاک کرکے۔"

"اس صورت میں دولت اور جائیداد ہمارے قبضے میں کس طرح آئے گی بھلا؟" باس نے کہا۔

"اس دولت کا ایک عدد وارث پیدا کرکے۔ یہ کہانی ابھی انسپکٹر جمشید اور اس کے بچوں تک ہی ہے۔ کسی کو نہیں معلوم کہ کیا ہوا تھا اور کیا نہیں۔ ہم لیڈی ڈاکٹر سرودی کو رہا کرا لیتے ہیں۔ لالچی تو وہ پہلے ہی ہے۔ لالچ دے کر اپنے کسی آدمی کو سیٹھ مروان کا بھائی ثابت کر دیں گے۔

"بلکہ اس طرح تو عدالت کے سامنے لیڈی ڈاکٹر سروری
اپنے جرم کا اقرار کرنا پڑے گا۔ اور عدالت اسے سزا
دے گی۔"

"سزا تو اسے ویسے بھی سنائی جائے گی۔ اگر ہم پیروی
نہیں کریں گے۔ ہم تو اس سے یہ کہیں گے کہ تھوڑی بہت
سزا اسے ہو گی۔ اس لیے کہ ہم جج صاحب کو بھی بھاری
رشوت دے دیں گے اور وہ چند دن کی سزا اسے دے
دے گا۔ اس کو بھی بڑی دولت مل جائے گی۔ وہ بھلا یہ
سودا کیوں منظور نہیں کرے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ پہلے اس کی ضمانت کرا لیں۔"

اس وقت تک اس کے آدمی انسپکٹر جمشید کو چاروں طرف
سے جکڑے ہوئے اس کے نزدیک لا چکے تھے۔

"کیا حال ہے انسپکٹر جمشید۔ ہم نے تو سنا ہے تم بڑے بڑوں
کو ناکوں چنے چبوا دیتے ہو۔ پھر ان عام قسم کے لوگوں
کے ہاتھ تم کس طرح لگ گئے؟"

"بس! یہ تقدیر کے کھیل ہیں۔ اللہ اپنی قدرت دکھاتا ہے
تاکہ مجھ جیسے گنہگار مغرور نہ ہو جائیں۔"

"تم میرا کھیل ختم کرنا چاہتے تھے نا۔ میں نے تمہارا
کھیل ختم کر دیا۔ جانتے ہو کس طرح۔ جب تم نے اور تمہارے

وں نے اس معاملے میں دلچسپی لینا شروع کی تو میرے آدمیوں
اسی وقت تم لوگوں کی نگرانی شروع کر دی تھی۔ اور مجھے
ل پل کی خبریں مل رہی تھیں۔ لہٰذا میں نے سوچا۔ تم
وگوں کو یہاں بلوا لیا جائے۔"

"ہوں!" انسپکٹر جمشید بولے۔ ان کی حالت بہت ردی تھی،
پڑے جگہ جگہ سے پھٹ گئے تھے۔ اور جسم کے کئی حصوں
ے خون رس رہا تھا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ حیران
وئے بغیر نہ رہ سکے۔ ان کی ایسی حالت بنا دینا آسان کام
ہیں تھا۔ یا تو انہیں دھوکے سے پکڑا گیا تھا۔ یا پھر کوئی
ور بات تھی۔

"محمود، فاروق اور فرزانہ کہاں ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے تھکے
تھکے انداز میں کہا۔

"ملو گے ان سے۔ لے آؤ بھئی۔ یہ بھی کیا یاد کریں گے،
کس رئیس سے ملاقات ہوئی تھی۔"

اور پھر ان تینوں کو بھی وہاں سے نکال کر ان کے
سامنے لا کھڑا کیا گیا۔

"تم ٹھیک تو ہو بچو؟"

"جی ہاں! لیکن یہ آپ کی کیا حالت ہم دیکھ رہے ہیں؟"

"تم میری فکر نہ کرو۔ یہ حالت میں نے جان بوجھ کر بنوائی

ہے"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی! کیا مطلب؟"

"جی چاہ رہا تھا۔ مجرموں کے ہاتھوں پٹنے کے لیے۔"

"جی۔ کیا کہا؟" فاروق حیران رہ گیا۔

"اب ہم دونوں کی بطراس خوب نکالیں گے نا۔ دراصل میں ان کی خوب مرمت کرنا چاہتا تھا۔ اور اس کے لیے اپنے آپ کو تیار نہیں پا رہا تھا۔ لہٰذا جب انھوں نے مجھ پر ہاتھ اٹھائے تو میں نے سوچا۔ موقع اچھا ہے، انھیں اپنا کام کر لینے دو۔ پھر میری باری آئے گی تو یہ کچھ اعتراض نہیں کر سکیں گے نا۔"

"تو آپ نے صرف اس لیے ان کے ہاتھوں مار کھائی کہ یہ اعتراض کے قابل نہ رہیں۔"

"ہاں! کبھی کبھی میں ایسے انوکھے کام بھی کرتا ہوں۔"

"یہ اپنی خفت مٹا رہے ہیں بھئی۔ دراصل بات یہ ہے کہ ان کا بس نہیں چل رہا تھا۔ میرے لڑاکے بہترین لڑاکے ہیں۔" باس ہنسا۔

"میں اگر چاہتا تو یہ مجھے ہاتھ بھی نہ لگا سکتے۔ میرے پیارے مجرم۔"

"جی۔ یہ آپ نے کیا فرمایا۔ پیارے مجرم" فاروق نے

حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! اس پر مجھے بہت پیار آ رہا ہے۔ جرائم پیشہ تو یہ بہت پرانا ہے۔ اپنا گینگ اس نے مدتوں پہلے ترتیب دے دیا تھا۔ لیکن جب اس نے پہلی بار سیٹھ مروان اور رانو میں بالکل مشابہت دیکھی تو اسی وقت سے اس کے ذہن میں یہ شیطانی منصوبہ آ گیا تھا۔ رانو گھر سے بھاگا نہیں تھا۔ اس نے اغوا کر لیا تھا۔ اور پھر رانو اس کے پاس رہ کر جوان ہوا۔ اس نے اس کا حلیہ بھی تبدیل کر دیا تھا۔ عارضی طور پر۔ تاکہ کوئی سیٹھ مروان کا جاننے والا اسے دیکھ کر چونک نہ جائے۔"

"لیکن ابا جان۔ رانو کو سیٹھ مروان کی جگہ دینے کے لیے اس نے اتنا انتظار کیوں کیا۔ یہ تو بہت پہلے یہ کام کر سکتا تھا۔"

"بھئی پہلے رانو کو اپنے رنگ میں بھی تو ڈھالنا تھا۔ اس کے دل و دماغ سے اس کی ماں کی یاد کو بھی تو بھلانا تھا۔ اس کام میں بہت دیر لگی۔ اور پھر اس نے رانو کو یقین دلا دیا تھا کہ اس کی ماں مر چکی ہے۔"

"تم نے کیا کہا تھا جمشید۔ تم اگر چاہتے تو میرے آدمی تمھیں ہاتھ بھی نہ لگا سکتے۔"

"ہاں! اگر یقین نہیں تو اب اپنے سامنے تجربہ کر لو۔"

"اور کے — ذرا پھر سے ان کی مرمت شروع کرو بھئی۔"

"یہ کیا مشکل کام ہے باس۔" ایک نے کہا۔

"محمود، فاروق، فرزانہ — تم ایک طرف ہو کر صرف تماشا دیکھو گے — دخل اندازی نہیں کرو گے۔" انسپکٹر جمشید نے ان سے کہا۔

اس کے ساتھیوں نے کلاشن کوفیں ایک طرف رکھ دیں۔ البتہ باس نے ایک کلاشن کوف اپنے ہاتھ میں لے لی — اور ان کی طرف تان دی — ادھر اس کے دس بارہ کے قریب ساتھیوں نے انسپکٹر جمشید کو چاروں طرف سے گھیر لیا — اور لگے وار پر وار کرنے — انسپکٹر جمشید اچھل کود کر خود کو بچانے لگے — ان کی کوشش تھی کہ وہ انھیں ہاتھ بھی نہ لگا سکیں — اور اب تک وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب رہے تھے — باس کے ساتھیوں کو حد درجے غصہ آ گیا — وہ اور تیزی اچھل اچھل کر وار کرنے لگے — انسپکٹر جمشید بھی اسی رفتار سے خود کو بچا رہے تھے — پھر اچانک انسپکٹر جمشید ان کے گھیرے میں سے نکل گئے — اور وہ آپس میں بُری طرح ٹکرا گئے۔

"یہ کیا کر رہے ہو — سنبھل کر لڑو — ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے۔" باس گرجا۔

اور وہ سنبھل گئے — اب انسپکٹر جمشید ان کے سامنے کھڑے

تھے — اور وہ سب مل کر ان پر حملہ کرنے کے لیے پر تول رہے تھے — جونہی وہ جھپٹے — انھوں نے ہائی جمپ کا مظاہرہ کیا اور ان کے سروں پر سے ہوتے ہوئے کمر کی طرف آ کر گرے — ساتھ ہی ان کی لاتیں ان میں سے دو کو لے بیٹھیں — وہ ایسے گرے کہ پھر نہ اُٹھ سکے۔

"یہ دونوں مجھے ہاتھ لگائے بغیر ہی گر گئے، اب نہیں اٹھ سکیں گے — میرا مطلب ہے — اس لڑائی کا فیصلہ ہونے تک نہیں لڑ سکیں گے۔"

"پکڑو — کیا کر رہے ہو۔" باس گرجا۔

وہ ایک بار پھر بلا کی تیزی سے انھیں پکڑنے کے لیے لپکے؛ انھوں نے پھر ہائی جمپ لگائی اور وہ دیوار سے جا ٹکرائے — یہ پھر ان کی کمر کی طرف گرے اور دو کی گردنوں پر لاتیں اس قدر زور سے لگیں کہ ان کی بلند چیخیں فضا میں ہل چل پیدا کر گئیں۔

"دو اور گئے — مسٹر باس۔" انسپکٹر جمشید ہنسے۔

"میں تم سب کو گولی مار دوں گا۔" باس نے چلا کر کہا۔

"میرا خیال ہے — ایک گولی آپ اپنے لیے بھی سنبھال رکھ لیجیے گا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اگر یہ اُٹھ — آپ کو ہاتھ نہ لگا سکے — تو"

زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" باس گرجا۔

"تم نے اپنے باس کا اعلان سنا۔ اتنی محبت ہے اسے تم سے۔ چھوڑو اس کا ساتھ۔ اور لڑائی بند کر کے میرے ساتھ آ کر کھڑے ہو جاؤ۔ تم بھی اعلان کر دو۔ ہم جرائم سے توبہ کرتے ہیں۔ اس طرح تم بہت فائدے میں رہو گے۔" انھوں نے پُرسکون آواز میں کہا۔

وُہ ٹھٹک کر رک گئے۔ جیسے ان کی پیش کش پر غور کر رہے ہوں:

"کیا سوچ رہے ہو بے وقوفو۔ یہ چال چل رہا ہے۔ پھانسی سے یا عمر قید سے کم کی سزا تمھیں نہیں ملے گی۔ یہ کیا کرے گا تمھارے لیے۔ جب کہ ادھر تمھارے لیے عیش ہی عیش ہے۔ میں اس سے نبٹ لوں گا۔ بس تم اسے پکڑ لو ایک بار۔"

اور وہ پھر ان پر جھپٹ پڑے۔ اس بار بہت خوفناک انداز میں حملہ آور ہوئے تھے۔ کیا انھوں نے یہ تھا کہ ان میں سے چار نے اپنے رُخ انسپکٹر جمشید کی طرف کر لیے اور چار نے منہ ان کے مخالف سمت میں کر لیے۔ یعنی کمر سے کمر ملائی۔ مطلب یہ تھا کہ چھلانگ لگا کر جب وُہ دوسری طرف گریں گے تو وُہ ان پر اس وقت حملہ کرنے کی پو

میں ہوں۔ انسپکٹر جمشید ان کی اس چال کو دیکھ کر مسکرائے اور جونہی چار ان پر حملہ آور ہوئے۔ وہ جھکائی دے کر دائیں طرف ہو گئے، چاروں آگے نکل گئے۔ باقی چار جو دُوسری طرف منہ کیے کھڑے تھے، وہ ان پر حملہ آور ہوئے۔ چاروں دھم دھم منہ کے بل گرے۔ انسپکٹر جمشید اس وقت مڑے۔ جب باقی چار سنبھل کر ان پر حملہ کرنے کے لیے پر تول چکے تھے۔

اب بس یہی چار مقابلے پر رہ گئے تھے اور ابھی تک کوئی انھیں ہاتھ نہیں لگا سکا تھا۔

"مسٹر باس۔ تمھارے ساتھیوں کی آخری قسط رہ گئی ہے۔" فاروق مُسکرایا۔ باس نے کوئی جواب نہ دیا۔

"معلوم ہوتا ہے۔ تمھیں سانپ سونگھ گیا ہے۔ باس!" محمود نے کہا۔

لیکن انھوں نے باس کی طرف دیکھا نہیں، کیونکہ نظریں لڑائی سے ہٹائی نہیں جا رہی تھیں۔ ان چاروں کے تیور اب حد درجے خطرناک نظر آ رہے تھے۔ اچانک وُہ جھکے اور انھوں نے اپنی پنڈلیوں میں اڑسے ہوئے خنجر نکال لیے:

"ارے باپ رے۔ اب یہ خنجروں سے بھی لڑیں گے۔" فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

"حالانکہ بے چارے خنجروں نے کوئی قصور نہیں کیا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کیا مطلب؟"

"خنجروں سے جو یہ لڑیں گے۔ ان کا کیا قصور۔ صرف ابّا جان سے لڑیں۔"

"پاگل ہو گئے ہو کیا۔ خنجروں سے لڑنے کا یہ مطلب نہیں کہ ان سے جنگ کریں گے۔ بلکہ خنجروں کی مدد سے ابّا جان سے لڑیں گے۔"

"اوہ۔ میں کچھ اور سمجھا تھا۔ لیکن بھئی۔ یہ باس صاحب کو کیا ہو گیا ہے۔ کچھ بول ہی نہیں رہے۔"

"سوچ رہے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"لیکن کیا سوچ رہے ہیں؟"

"یہ کہ ایسے میں کیا سوچیں۔" فاروق نے کہا اور جلدی سے گردن باس کی طرف گھمائی:

"ارے یہ کیا؟"

وہ حیرت زدہ رہ گیا۔

دھماکا

"کیا ہوا بھائی؟ اس وقت ہم ابّا جان پر سے نظریں نہیں ہٹا سکتے۔"

"تمھاری مرضی۔ میں بھی نہیں بتاتا۔ کیا بات ہے۔" اس نے منہ بنایا۔

"نہ بتاؤ۔ اس وقت اس لڑائی سے زیادہ دلچسپ بات اور کیا ہو سکتی ہے۔"

"دلچسپ کی بات چھوڑو۔ حیرت انگیز اور چونکا دینے والی تو ہو سکتی ہے نا۔" فاروق نے کہا۔

"نہیں۔ نہیں ہو سکتی۔"

"ارے یہاں جاؤ۔ میں دیکھنے کے بعد کہہ رہا ہوں کہ ہو سکتی ہے اور تم نہ دیکھنے پر کہہ رہے ہو۔ ہے کوئی تک۔"

"اس وقت ہم تک اور بے تک کے چکر میں بھی نہیں پڑیں گے۔ لڑائی زوروں پر ہے۔"

"ایسی لڑائیاں ہم ان گنت دیکھ چکے ہیں۔ ادھر دیکھ لو۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔"

"اب ایسی بھی کیا بات ہے۔ کیوں پچھتائیں گے ہم؟"

"اچھی بات ہے۔ تمھاری مرضی۔" اس نے کہا۔ اور پھر یوں لگا جیسے وہ بالکل خاموش ہو گیا ہو۔

"تھک گیا بے چارہ مطالبہ کرتے کرتے۔"

"لیکن آخر۔ باس اس قدر خاموش کیوں ہے؟"

"باس ہی ٹھہرا۔ کیا خبر کب بولنے لگ جائے اور کب خاموش ہو جائے۔"

ادھر انسپکٹر جمشید ان چاروں کو بگی کا ناچ نچا رہے تھے۔ اب مقابلہ پہلے کی نسبت بہت آسان ہو گیا تھا۔ چار کے نرغے سے نکلنا ان کے لیے بہت آسان کام تھا۔ اچانک وہ بلا کی تیزی سے تڑپے اور ان کے ہاتھ اور پیر چاروں سمت میں چلتے نظر آئے۔ چاروں لڑاکوں کے خنجر ہاتھوں سے نکل گئے اور وہ اچھل اچھل کر گرے۔ کوئی دیوار سے ٹکرایا۔ کوئی اپنے گرے ہوئے ساتھی پر گرا۔ غرض کہ وہ چاروں یک دم ڈھیر نظر آئے۔

انسپکٹر جمشید نے اپنے ہاتھ جھاڑے۔ جیسے مٹی جھاڑ رہے ہوں۔

"ارے! باس کہاں گیا؟" وہ چونک کر بولے۔ محمود اور فرزانہ بھی اس طرف مڑے۔

"یہی تو میں ان سے کہہ رہا تھا کہ ادھر دیکھ لو، لیکن انھوں نے دیکھا ہی نہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"لیکن تم نے تو دیکھ لیا تھا۔ تم نے اسی وقت اس کا تعاقب کیوں نہیں کیا؟" انھوں نے جھلا کر کہا۔

"میں نے بھی اس وقت دیکھا۔ جب وہ جا چکا تھا۔"

"اوہ! یہ برا ہوا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ بھاگ کر کہاں جائے گا۔"

وہ باہر آئے۔ دور دور تک نظریں دوڑائیں۔ لیکن باس کہیں بھی جاتا نظر نہ آیا۔

"ان چٹانوں میں کسی کو تلاش کر لینا آسان کام نہیں۔ خیر اکرام کو فون کرو۔ اب ان زخمیوں کو بھی لے کر جانا ہو گا۔"

"اور باس کا کیا کریں گے؟"

"اسے ہم اپنے تجربے کے ذریعے پکڑیں گے۔ یہاں ہاتھ آ جاتا تو اور بات تھی۔ لیکن وہ بہت صفائی سے نکل گیا۔ اس نے بھانپ لیا تھا۔ اس کے آدمی بہت جلد شکست کھا جائیں گے۔ لہٰذا اس نے خود کو بچانے کی کوشش کی۔"

"وہ بہت چالاک ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اگر رنگے ہاتھوں نہ پکڑا گیا تو پھر ہم اسے نہیں پکڑ سکیں گے، لیکن یہ اس کی خوش فہمی ہے۔"

اکرام جلد ہی وہاں دو گاڑیاں لے کر پہنچ گیا، پھر وہ شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ زخمیوں کو ہسپتال پہنچایا گیا۔

"آج رات ہی ہم مجرم کو گرفتار کر لیں گے۔ اکرام! تم بھی تیار رہنا۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا اور وہ گھر آ گئے۔

انسپکٹر جمشید نے تیاری شروع کر دی۔ سیٹھ مروان بھی ان کے گھر آ چکا تھا۔ وہ اس کے کمرے میں جا کر بولے:

"آپ کو کچھ اداکاری کرنا آتا ہے؟"

"اداکاری۔ آپ کا مطلب ہے ایکٹنگ؟"

"ہاں!" وہ بولے۔

"نہیں۔ میں اس معاملے میں بالکل کورا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ آپ آرام کریں۔ مجھے ہی کچھ کرنا ہوگا۔"

دو گھنٹے بعد وہ پھر سیٹھ مروان کے کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ اس وقت دوسری طرف منہ کیے بیٹھا تھا۔ انسپکٹر جمشید دبے پاؤں اندر داخل ہوئے تھے۔ اچانک وہ سیٹھ مروان کی آواز میں بولے:

"ادھر دیکھیے۔ میں کون ہوں؟"

سیٹھ مروان اچھل کر مڑا اور پھر اس کے منہ سے چیخ نکل گئی:

"یہ۔ یہ کیا۔ یہ میں ہوں۔ یا میں میں ہوں؟" اس نے تھرتھر کانپتی آواز میں کہا۔

"میں سیٹھ مروان آپ سے مخاطب ہوں۔ بلکہ دیکھا جائے تو میں رانو ہوں۔ آپ کا سگا بھائی۔ یعنی جڑواں بھائی۔"

"ن۔ نہیں۔ وہ بے چارہ تو مارا گیا۔"

"تو پھر۔ آپ خود میں اور مجھ میں کوئی فرق تو محسوس نہیں کر رہے؟"

"ن۔ نہیں۔ اس پر تو مجھے حیرت ہے۔"

"ہوں! تو پھر اب حیران ہونا بند کر دیں۔ یہ میں ہوں۔" انسپکٹر جمشید اب اپنی آواز میں بولے۔

"کیا!!!" اس نے چلا کر کہا۔

وہ مسکرا دیے۔

"آخر یہ سب کیا چکر ہے؟"

"مجرم کو پکڑنے کا چکر ہے۔ اس نے اپنے خلاف کوئی ثبوت نہیں چھوڑا۔ ہم اسے گرفتار کر کے رہیں گے۔ وہ بھی اس طرح کہ عدالت میں اس کے وکیل اسے بچا نہ سکیں۔"

"لیکن اب آپ کریں گے کیا؟"

"بس دیکھتے جائیں۔ آپ کو بھی اس سلسلے میں کام کرنا ہو گا۔"

"وہ کیا؟"

"میں آپ کو سمجھا دیتا ہوں۔ پھر آپ عملی طور پر اس طرح کر کے دکھائیں گے۔"

"م۔ میں۔ کہیں گھبرا نہ جاؤں۔"

"ہم آپ کے بالکل ساتھ ہوں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔"

"اچھی بات ہے۔"

اور وہ اسے سمجھانے لگے۔ اسی رات دس بجے کے قریب سیٹھ مروان نے مجرم کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلا۔ ملازم جونہی باہر نکلا۔ وہ زور سے اچھلا۔ چہرے پر خوف دوڑ گیا۔

"میں سیٹھ مروان ہوں۔ تمہارے صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔ جا کر بتاؤ۔"

"جی۔ اچھا۔" اور وہ اندر چلا گیا۔ جلد ہی باہر آیا۔ اور اسے اندر چلنے کے لیے کہا۔ ایک کمرے کے دروازے پر پہنچ کر اس نے کہا:

"اندر چلے جائیں۔"

سیٹھ مروان کمرے میں داخل ہوا۔ اندر برلاس وکیل

موجود تھا:

"آیئے سیٹھ مروان، کیسے آنا ہوا؟"

"آپ کا پول کھل گیا ہے۔"

"کیا مطلب۔ کیسا پول؟"

"آپ کے جرم کا بھانڈا پھوٹ گیا ہے۔"

"کیا کہ رہے ہیں آپ۔ ہوش میں تو ہیں۔ میں ایک وکیل ہوں۔ سوچ سمجھ کر بات کریں۔"

"میں خوب سوچ سمجھ کر بات کر رہا ہوں۔ دانو نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"کیا کہا۔ دانو نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ ضرور آپ کا دماغ چل گیا ہے۔ دانو تو مارا جا چکا ہے۔ آپ کی بیوی اور سالے کے ہاتھوں۔"

"نہیں۔ دانو نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ بتاؤں۔ اس نے کیا بتایا ہے۔ ہم دونوں جڑواں پیدا ہوئے تھے۔ لیکن نرس بے اولاد تھی۔ اس نے ہمارے والدین کو پتا نہ چلنے دیا اور ایک بچہ درمیان سے غائب کر دیا۔ وہ بچہ اس کے ہاں پلا۔ آپ میرے والد کے وکیل تھے۔ آپ کا وہاں آنا جانا تھا۔ مجھے بچپن سے ہی آپ دیکھتے رہے تھے۔ ایسے میں اس نرس نے آپ کو کسی کیس کے سلسلے

میں وکیل گیا۔ اس کے ہاں بھی آپ کا آنا جانا ہو گیا۔ آپ نے جب زاہد کے بیٹے کو دیکھا تو حیران رہ گئے۔ دونوں بالکل ہم شکل تھے اور آپ کے شیطانی ذہن میں ایک منصوبہ آ گیا۔ آپ نے سوچا۔ اس لڑکے کو خود پال پوس کر بڑا کیا جائے اور جب یہ خوب سمجھ دار ہو جائے تو اسے سیٹھ مروان کی جگہ دے دی جائے اور سیٹھ مروان کو قتل کر کے اس کی لاش غائب کر دی جائے؛ چنانچہ اس منصوبے پر عمل کیا گیا۔ یہاں تک کہ ایک دن آپ کو اطلاع ملی کہ سیٹھ مروان تین دن کے لیے شہر سے باہر جا رہا ہے۔ ابھی میری واپسی نہیں ہوئی تھی کہ۔ میری جگہ پر راؤ کو بھیج دیا گیا۔ اور پھر کیا ہوا۔ پتا ہے؟"

"ہاں! پتا ہے۔ راؤ کو تمھاری بیوی اور سالے نے قتل کر دیا۔"

"ابھی آپ کو پتا چل جاتا ہے کہ کون ہلاک ہوا ہے اور کون نہیں۔ آ جائیں میرے بھائی۔" اس نے دروازے کی طرف مڑ کر کہا۔

راؤ اندر داخل ہوا۔ برلاس بہت زور سے اچھلا۔ اس کی آنکھوں میں خوف ہی خوف نظر آنے لگا:

"نن۔ نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ میری اطلاع غلط نہیں

ہو سکتی۔"

"میں تمھارے سامنے زندہ ہوں۔ یہ تمھارا ہی منصوبہ تھا۔ تم نے ہی مجھے اغوا کیا تھا۔ پھر ایک پہاڑی مکان میں پال پوس کر بڑا کیا اور اپنے رنگ میں ڈالا۔ یہاں تک کہ میں پکا جرائم پیشہ بن گیا۔ اس کے بعد تم نے مجھے سیٹھ مروان کی جگہ لینے کے لیے بھیجا۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔"

"مم۔ لیکن۔ تم نے۔ میرا مطلب ہے۔ تمھیں تو قتل کر دیا گیا تھا۔"

"بس دیکھ لیں۔ میں آپ کے سامنے زندہ سلامت ہوں۔"

"یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"بس دیکھ لیں۔ اور آپ کا منصوبہ بالکل فیل ہو گیا۔ دھرا کا دھرا رہ گیا۔ اب آپ سیٹھ مروان کی دولت کے خواب نہیں دیکھ سکیں گے۔"

"نن۔ نہیں۔ میرا منصوبہ فیل نہیں ہو سکتا۔ اگر راؤ واقعی نہیں مر سکا تو اور اچھا ہے۔ میں اب سیٹھ کو ختم کر دیتا ہوں۔ خون کی ہولی کھیلنا میرے لیے کون سا مشکل کام ہے۔" یہ کہہ کر اس نے جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ارے ارے۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ اس طرح آپ قاتل بن جائیں گے۔" راؤ نے گھبرا کر کہا۔

"بنتا ہوں تو بن جاؤں — مجھے ذرا بھی پروا نہیں ہے۔"
اس نے جھلّا کر کہا — ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں پستول نظر
آیا — اب تو سیٹھ مردان کا رنگ فق ہو گیا — پستول دیکھ
کر اس کے ہوش اڑ گئے — لگا تھر تھر کانپنے —

"مطلب یہ کہ تم نے اپنا جرم قبول کر لیا ہے۔" دانو
نے کہا —

"ہاں ! کر لیا ہے — تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے — یہاں
کون سا یہ باتیں کسی نے سنی ہیں۔"

"لیکن بڑے صاحب — اب آپ میرے بھائی سیٹھ مردان کو
نہیں مار سکتے۔" دانو نے آگے بڑھ کر کہا۔

"کیا کہا — نہیں مار سکتا — کون روکے گا مجھے ؟"

"میں روکوں گا — یہ میرا جڑواں بھائی ہے — پہلے تو
مجھے معلوم نہیں تھا — اگر کہیں پہلے پتا چل جاتا تو معاملہ یہاں
تک نہ پہنچتا — میں ہرگز اپنے بھائی کی جگہ لینے کی کوشش نہ کرتا۔"

"بکو مت — تم میرا کروڑوں کا منصوبہ فیل نہیں کر سکتے —
میں نے اس پر بہت محنت کی ہے — تمہیں پال پوس کر بڑا
کیا ہے۔"

"تو پھر — اس میں میرا کیا قصور — آپ مجھے میری ماں کے
پاس رہنے دیتے۔"

"بے وقوف — وہ بھی تیری ماں نہیں تھی۔"

"تو کیا ہوا — جیسی بھی تھی — ماں ہی تھی نا۔" اس نے کہا۔

"میں نشانہ لے رہا ہوں دانو — سامنے سے ہٹ جاؤ —
ورنہ یہ گولی تمہارے جسم سے نکل کر بھی سیٹھ مردان کے جسم
میں داخل ہو سکتی ہے۔"

"حد ہو گئی — آج تم مجھے بھی گولی مارنے پر تل گئے ہو۔"

"میرا کام ہی یہی ہے — لو میں نے گولی چلا دی۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی ٹریگر دب گیا اور گولی چلنے کا
دھماکا بھی ہوا —

کیا!!!

رانو نے اپنی جگہ سے ہلنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی تھی۔ پر اس کی گولی نے اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑا تھا یہ دیکھ کر اس کی سٹی گم ہو گئی۔

"جو پہلے ہی مارا جا چکا ہو۔ اسے کوئی کیا مارے گا دوست" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا، پھر ہنس کر بولا:

"لیکن اب تم نے اپنے جرم پر مہر لگا دی ہے۔ آ جاؤ بھئی تم سب"

لیکن اب اس کی آواز بالکل بدل گئی تھی۔

"یہ۔ یہ کیا۔ تمھاری آواز کو کیا ہوا؟"

"بے چارہ رانو تو واقعی مر گیا تھا۔ یہ تو میں ہوں آپ کا خادم انسپکٹر جمشید"

"کیا !!!" وہ بہت زور سے چلّایا۔

اور پھر انسپکٹر جمشید نے میک اپ اتار دیا۔

اور دوسرے اندر داخل ہوئے۔ اکرام کے ماتحت اسے ہتھکڑیاں لگانے کے لیے آگے بڑھے۔ اس وقت اس کی مایوسی دیکھنے کے قابل تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ سیٹھ مروان کو ساتھ لے کر حوالات پہنچے۔ سیٹھ مروان کی بیوی اور اس کا سالا گھٹنوں میں سر دیے بیٹھے تھے۔

"بیگم۔ کس خیال میں ہو۔ کیا تم میری طرف دیکھنا پسند کرو گی۔ اور تمھارا یہ بھائی بھی"

دونوں بُری طرح اُچھلے اور اپنے سامنے سیٹھ مروان کو دیکھ کر تھر تھر کانپنے لگے۔ ان کے ہوش و حواس اڑے جا رہے تھے۔

"گھبراؤ نہیں۔ یہ میں ہوں۔ میری روح نہیں ہے"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"یہ ایسے ہو سکتا ہے کہ جسے اللہ رکھے، اسے کون چکھے۔ تم نے مجھے مارنے کی کوشش کی۔ لیکن جسے تم نے مارا۔ وہ میں نہیں۔ میرا جڑواں بھائی تھا۔ اور اسے بھی ایک سازش کے تحت بھیجا گیا تھا۔ میری دولت پر قبضہ کرنے کے لیے۔ لیکن ایک ہی وار میں میرے اللہ نے مجھے میرے دو دشمنوں سے نجات دے دی۔ اور مجھے

بال بال بچا لیا۔ اسے کہتے ہیں۔ خدا کی قدرت۔ اور یہ صرف اس لیے ہوا کہ میں نے ہمیشہ صرف اور صرف اسی پر بھروسا کیا ہے۔ صرف اسی کے آگے اپنا سر جھکایا ہے"۔

دونوں کے سر جھک گئے۔ اس حد تک جیسے اب کبھی نہ اٹھیں گے۔

آئندہ خاص نمبر کی جھلک

۲۰ دسمبر کو پڑھیے

قیمت ۷۵ روپے

ایک بار پھر ایک اور بڑا خاص نمبر

اکتیسواں خاص نمبر

محمود، فاروق، فرزانہ، انسپکٹر جمشید، آفتاب، آصف، فرحت، انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز کی مشترکہ مہم

دلدل کا سمندر

مصنّف: اشتیاق احمد

- پروفیسر غالب اپنی ایک حیرت انگیز ایجاد کو پرکھ رہے تھے۔
- انھوں نے دو بوتھ بنائے تھے۔ ایک بوتھ ان کی تجربہ گاہ میں تھا۔ دوسرا کسی نامعلوم جگہ۔
- پروفیسر غالب جیسے محبِ وطن کو ایسی ضرورت کیوں پیش آئی؟
- انھوں نے جب اس بوتھ میں قدم رکھا تو کیا ہوا۔ آپ دھک سے رہ جائیں گے۔۔۔
- لیکن یہ دھک سے رہ جانا تو پہلی بار ہوگا۔۔۔ اس خاص نمبر میں تو آپ کو ان گنت مرتبہ دھک سے رہ جانا پڑے گا۔۔
- لہٰذا ابھی سے دھک سے رہ جانے کی تیاریاں کرلیں، صرف تیاری نہیں۔ تیاریاں۔۔ اس لیے کہ یہ کوئی عام نمبر نہیں۔۔ خاص نمبر ہے۔۔
- اشتیاق احمد ایک بار پھر ضخامت کی طرف گامزن۔۔
- "برف کے اس پار" بہت سے قارئین کو ڈھونڈے نہیں ملا تھا۔ سٹالوں سے فوراً غائب ہوگیا تھا اور اکثر قارئین کو اس کی تلاش میں بہت دوڑ دھوپ کرنا پڑی تھی۔۔ جب کہ میں چاہتا ہوں۔۔ آپ میں سے ایک کو بھی دوڑ دھوپ نہ کرنا پڑے۔۔ بلکہ دھوپ دوڑ بھی نہ کرنا پڑے۔۔ اس لیے۔۔

- آپ پہلے ہی اس خاص نمبر کی بکنگ کرالیں۔ اپنے بک سٹال پر۔ اپنے ہاکر سے یا پھر ہمیں لکھ کر۔
- خاص نمبر کا سرورق بہت خاص تیار کرایا جا رہا ہے، آپ دیکھ کر یقیناً خوش ہوں گے۔
- پورے ناول میں آپ پر سنسنی طاری رہے گی۔
- انسپکٹر جمشید اور ان کے تینوں بچے، بیگم جمشید میں ایک حیرت انگیز اور انوکھی تبدیلی محسوس کرتے ہیں۔ ایسی تبدیلی جس نے ان کے ہوش اڑا دیے۔
- ملک کے وزیرِ خارجہ فیاض خود اپنے گھر میں استری کرنے لگے اور انھوں نے اپنا سوٹ جلا دیا۔ پھر انڈے پکانے لگ گئے اور انڈے جلا لیے۔ جب کہ گھر میں وہ ایسے کام کبھی نہیں کرتے تھے۔ پھر وہ خان رحمان کے گھر پہنچ گئے۔ کیا ان میں ظہور کی روح حلول کر گئی تھی۔ آپ کے لیے حیرت ہی حیرت۔ بلکہ حیرتوں کے سمندر ہی سمندر۔
- اور حیرتوں کے یہ سمندر جب آپ لوگوں کو دلدل کے سمندر میں لے جائیں گے، تب؟
- آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔ اس وقت کیا کچھ ہوگا۔
- انسپکٹر کامران مرزا نے پروفیسر غالب کے بتائے ہوئے

جزیرہ میں قدم رکھا اور غائب ہو گئے۔
- یہی حال شوکی کا ہوا۔
- منور علی خان آپ کو اس بار ایسے روپ میں نظر آئیں گے کہ کیا کبھی نظر آئے ہوں گے۔
- جنگلی درندے ان کا حکم مانتے نظر آتے ہیں۔
- اور جب انھیں ایک شیر سے دست بدست مقابلہ کرنا پڑا۔
- انھیں دشمنوں پر کاری ضرب لگانے کے لیے خان رحمان کی جنگی صلاحیتوں سے کام لینا پڑا۔
- ایک خوف ناک جنگل۔ جو درندوں سے ہی نہیں۔ آدم خور جنگلیوں سے بھی پٹا پڑا تھا۔ اور....
- اور انھیں اس جنگل کو عبور کر کے۔ دلدل کے سمندر تک پہنچنا تھا۔
- دلدل کے اس سمندر میں پروفیسر غالب کو کوئی چیز نظر آئی تھی۔
- اور یہ سارا جھمیلا۔ اس چیز کے لیے تھا۔
- لیکن وہ چیز کیا تھی۔ یہ سوال پورے ناول میں گونجتا سنائی دے گا۔
- انسپکٹر جمشید پارٹی کو ہر حال میں انشارجہ پہنچنا تھا۔ لیکن۔ تمام راستے بند تھے۔ پھر وہ کیسے پہنچے؟

- اور وہاں ان کی ملاقات دونوں پارٹیوں سے کن عجیب ... اور پُر اسرار ترین حالات میں ہوئی — آپ کو پُرا... خاص نمبروں کی ملاقاتیں یاد آ جائیں گی —
- اور جب وہ ملے — تو — وہی باتوں کے طوفان — محاورات کی آندھیاں اور ضرب الامثال کے دریا امڈ پڑے —
- لیکن ان کے ساتھ ساتھ — اس مرتبہ وہ آپ کو ... کام کرتے نظر آئیں گے —
- انسپکٹر جمشید نے ایک بلند منزل کی چھت پر پائپ کے ذریعے فرزانہ کو اوپر بھیجا — وہ چھت تک گئی اور پھر ...
- آخر انسپکٹر جمشید کو بھی چڑھنا پڑا — جب وہ منڈیر تک پہنچے تو ایک خوف ناک دشمن کا ان پر حملہ —
- پائپ پر انسپکٹر جمشید نے اپنی زندگی کی یہ ہولناک لڑائی کس طرح لڑی —
- تین بڑے اور خوف ناک مجرموں سے ملے — تینوں لوہے کے پہاڑ تھے —
- جب وہ ان پہاڑوں سے ٹکرائے تو کیا ہوا —
- اس قدر ہولناک لڑائیاں آپ نے بہت کم ناولوں میں پڑھی ہوں گی —
- اور جب وہ سب کے سب انشارجہ کے قیدی بنے —

- انھیں شکنجوں میں کسا گیا —
- شکنجے میں کسے جانے کی باری جب اخلاق احمد کی آئی تو کیا ہوا؟
- آپ حیرت زدہ رہ جائیں گے —
- اور اگر اس وقت اخلاق احمد ... مگر نہیں ... آگے کچھ نہیں لکھا جا سکتا —
- فرزانہ، فرحت اور رفعت ترکیبوں کے میدان میں —
- انھیں ایک خوف ناک قلعہ نما عمارت میں بند کر دیا گیا — اس عمارت سے نکلنا قریب قریب ناممکن تھا۔
- وہ فرحت، فرزانہ اور رفعت کو ترکیب سوچنے کی دعوت دیتے ہیں —
- آخری لمحات کی آخری لڑائیاں — آپ کو ہمیشہ یاد رہیں گی۔ اور آپ اس خاص کو ایک مدت تک نہیں بھلا سکیں گے۔
- انھیں ایک ماہر پروفیسر عبدالکریم کو انشارجہ بلانا پڑا —
- وہ ان تک پہنچے تو کیا ہوا — حیرت پر حیرت —
- ہوٹل شانا میں آپ کو عجیب مناظر نظر آئیں گے —
- انشارجہ ان سے ایک معاہدہ کرنا چاہتا تھا، لیکن وہ تیار نہیں تھے — اور اس بنیاد پر انھیں شکنجے میں کسا گیا —
- پھر — کیا انھوں نے انشارجہ کا یہ مطالبہ مان لیا؟

- قید میں ان پر کیا بیتی۔
- فاروق، آفتاب اور محمود کی شوخیاں۔ ان کے چٹ پٹے جملے۔ آپ کو بار بار مسکراہٹوں کی دنیا میں لے جائیں گے۔
- 'برف کے اس پار' کے بعد 'دلدل کا سمندر' بھی آپ کے لیے انوکھا خاص نمبر ثابت ہو گا۔ ان شاء اللہ!
- تمام اہم خاص نمبروں کی یاد تازہ کر دینے والا خاص نمبر۔
- خاص نمبر میں ایسے لمحات بار بار آئیں گے، جب آپ کے اوپر کے سانس اوپر اور نیچے کے نیچے رہ جائیں گے۔
- اشتیاق احمد کا ایک اور ضخیم خاص نمبر۔
- قریباً ۹۰۰ صفحات کا خاص نمبر۔
- ضخامت کی وجہ سے خاص نمبر کی قیمت ۵۰/۰۰ روپے ہو گی۔
- اور پھر۔ خاص نمبر پر بیش بہا قیمتی انعامات۔
- ابھی سے خریدنے کی تیاری کر لیں۔ اور اپنا آرڈر بک سٹال پر نوٹ کروا دیں۔ یا اپنے ہاکر کو نوٹ کروا دیں۔ یا پھر براہ راست ادارے کو خط لکھ کر بذریعہ ڈاک منگوا لیں بصورت دیگر سابقہ روایات کے پیش نظر کہیں کچھ قارئین کو ہاتھ نہ ملنا پڑیں۔

نئی نسل — نیا ادب

آئندہ ناولوں کی ایک جھلک

۲۰ دسمبر ۱۹۹۳ء کو پڑھیے — ایکشن، سسپنس اور مزاح سے بھرپور

متفرق سلسلے ۲۱، ۲۲

دہشت کا جہنم ○ جہنم سے فرار

قیمت: دس روپے　　قیمت: دس روپے

مصنفین:

طاہر ایس ملک

منصور احمد بٹ

- اس بار اس سلسلے میں ایک نیا تجربہ کیا جا رہا ہے۔
- ایک ناول جو دو مصنفوں نے تحریر کیا۔
- ایک نام تو آپ کا جانا پہچانا ہے۔ یعنی طاہر ایس ملک
- اور — دوسرے مصنف کا نام ہے — منصور احمد بٹ

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۲۲

چوٹ پر چوٹ

مصنف: اشتیاق احمد

- سالگرہ پارٹی میں ایک عجیب آدمی داخل ہوا۔
- شدید گرمی کے موسم میں اس نے سر پر مفلر لپیٹ رکھا تھا۔
- فرزانہ نے اس کے لائے ہوئے تحفے کو اٹھا کر باہر پھینک دیا، آخر کیوں؟
- اور یہاں سے ایک حیرت انگیز کہانی شروع ہوتی ہے۔
- گینڈے اور فادو سے ملیے۔
- شتو اور ماشو ایک بار پھر سامنے آ رہے ہیں۔ ان سے آپ ناول "تیسرا آدمی" میں مل چکے ہیں۔
- ایک ایسی کہانی جس میں واقعات کہیں بھی نہیں رکتے۔
- ۱۰ دسمبر کو پڑھیے۔ قیمت: دس روپے۔

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۲۹

خونی محل

مصنف: اشتیاق احمد

- وہ محل بھی عجیب تھا۔
- اس میں ایک بڑھیا کی جان کا کوئی دشمن بنا ہوا تھا۔
- بڑھیا پر تین بار حملہ ہوا، لیکن وہ پھر بھی بچ گئی۔
- اس نے انسپکٹر جمشید کو مدد کے لیے بلایا، لیکن انھوں نے محمود، فاروق اور فرزانہ کو بھیج دیا۔
- کیس بہت الجھا ہوا تھا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ بھی الجھ الجھ گئے۔
- آخر اس محل میں کیا ہو رہا تھا۔ شمالی کھڑکی کو کون استعمال کر رہا تھا۔ آپ چونک چونک اٹھیں گے۔
- ۲۰ دسمبر کو پڑھیے۔ قیمت: دس روپے۔

آئندہ ناول کی ایک جھلک

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز ۱۲

تصویر کی دھمکی

مصنف: اشتیاق احمد

- لیجیے۔ اب تصویریں بھی دھمکیاں دینے لگیں۔
- ہے نا عجیب بات۔
- انسپکٹر کامران مرزا ایک عجیب الجھن کا شکار۔
- تصویر کس کی تھی۔
- وہ کیا چاہتی تھی۔
- قدم قدم پر حیرتوں کا سامنا۔
- سنسنی خیز لمحات۔
- ایسے ناول آپ نے بہت کم پڑھے ہوں گے۔
- آپ ناول سے نظر نہیں اٹھا سکیں گے۔

۲۰ دسمبر کو پڑھیے۔ قیمت: دس روپے۔

آئندہ ناول کی ایک جھلک

شوکی سیریز ۱۲

قاتل گروہ

مصنف: اشتیاق احمد

- اس بار انھیں کسی کیس کے لیے کوشش نہیں کرنا پڑی۔
- کیس تو انھیں زبردستی سونپا گیا تھا۔
- وہ اس کیس کو حل نہیں کرنا چاہتے تھے۔
- آخر کیوں؟
- لیکن شوکی برادرز کو حکم دیا گیا کہ اس کیس کو حل کرو، ورنہ...
- ایک ہولناک دھمکی جو انھیں دی گئی اور ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔
- تھرتھرا دینے والا ایک ناول۔
- ۲۰ دسمبر کو پڑھیے۔ قیمت: دس روپے۔

آئینِ بے وفائی

مصنف: اشتیاق احمد

- "آئین بے وفائی" صرف ایک ناول نہیں۔ ایک حقیقت ہے۔ سو فی صد حقیقت۔
- لیکن یہ حقیقت کس کی ہے۔ آپ کے محبوب مصنف کی یا اس کے کسی عزیز کی۔ یہ تو آپ "آئین بے وفائی" پڑھ کر ہی اندازہ کر سکیں گے۔
- جن لوگوں نے ناول پڑھا، ان کی آرا آپ ناول کے آخر میں پڑھ سکتے ہیں۔
- چلی فرصت میں پڑھنے کے قابل ناول۔ آپ ایک بار شروع کرنے کے بعد ہاتھ سے نہیں رکھ سکیں گے۔
- اور آپ کو یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی۔ یہ ناول مصنف نے اپنے خون سے تحریر کیا ہے۔
- اپنے بک سٹال یا لائبریری سے طلب کریں۔ کہیں نہ ملے تو ہم سے رعایتی قیمت ۱۰ روپے میں بذریعہ وی پی منگوائیں۔

خطوط کے آئینے میں

"آئینِ بے وفائی" پر موصول ہونے والے خطوط میں سے چند ایک:

●

برادرم اشتیاق احمد صاحب

السلام علیکم! حقیقت پر مبنی آپ کا نیا رومانی ناول "آئین بے وفائی" پڑھا۔ آپ سے میرے تعلقات اس قسم کے ہیں کہ مجھے آپ کی اور آپ کو میری گھریلو باتوں کا بہت حد تک علم ہے۔ "آئین بے وفائی" میں لکھی کہانی کا مجھے بہت حد تک پہلے سے علم تھا۔ اب صرف ہوا یہ ہے کہ واقعات ایک ترتیب سے ذہن میں محفوظ ہو گئے ہیں۔

"آئین بے وفائی" بلاشبہ آپ کی ایک ایسی تخلیق ہے کہ اس پر میرا تبصرہ نہ کرنا، نہ صرف "آئین بے وفائی" کے ساتھ ناانصافی ہے، بلکہ آپ کے ساتھ بے وفائی ہے۔ اور آپ سے بے وفائی کے بارے میں سوچنا بھی میرے نزدیک گناہ ہے۔ کیونکہ آپ کے اکثر ساتھیوں نے آپ سے

بے وفائی کی۔ زندگی کے ہر قدم پر میری یہ کوشش ہے کہ
کم از کم میں اکثریت میں شامل نہ ہوں۔

اس بات کو مجھ سے زیادہ اور کوئی کیا محسوس کر سکتا ہے کہ آپ نے یہ ناول دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر واقعی اپنے خون سے تحریر کیا ہے۔ حالات نے ایک ایسا رُخ اختیار کر لیا تھا کہ "آئین بے وفائی" لکھنا نہ صرف آپ کے لیے، بلکہ ہم سب دوستوں کے لیے بھی ضروری تھا، کیونکہ یہ ناول لکھنے میں ہی آپ کی آئندہ زندگی مضمر تھی۔

"آئین بے وفائی" ایک معاشرتی کہانی ہے اور ہم سب اس معاشرے کا حصّہ ہیں۔ جب کردار متحرک ہوتے ہیں تو کہانیاں وجود میں آتی ہیں۔ کرداروں کی تحریک ختم ہو بھی جائے یا پھر کردار بھی ختم ہو جائیں، لیکن کرداروں کی تحریک سے پیدا ہونے والے اَن مٹ نقوش باقی رہتے ہیں اور انھیں ہی ہم کہانیاں کہتے ہیں۔ "آئین بے وفائی" ایک ایسی ہی کہانی ہے، جس کے ایک کردار نے جب اپنا پہلا قدم اٹھایا تو یہ کہانی شروع ہوئی، پھر ایک کردار کے ساتھ دوسرے کردار شامل ہو کر متحرک ہوتے گئے اور یہ کہانی تیزی سے اپنے انجام کی طرف رواں دواں ہو گئی۔ آخر ایک ایسا موڑ آیا کہ اس کہانی نے رنگ بدلنے کے ساتھ ساتھ دو

منزلوں کو بہت پیچھے چھوڑ دیا، حتیٰ کہ وفا کی گرد تک نظر آنا بند ہو گئی۔

"آئین بے وفائی" کے کرداروں میں سے جامی صاحب کے کردار پر حیرت ہے کہ اس دور میں بھی ان جیسے سادہ لوح انسان موجود ہیں۔ لوگوں نے انھیں باقر خان کی بے وفائیوں کے قصّے سنائے، لیکن وہ دوستی کے مقدس رشتے کو نبھاتے چلے گئے، چوٹ پر چوٹ کھاتے رہے یا پھر شاید وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی کچھ جاننا نہیں چاہتے تھے اور یا پھر وہ باقر خان کی انتہا دیکھنا چاہتے تھے:

ستمگر تجھ سے اُمید وفا ہو گی، جنھیں ہو گی
ہمیں تو دیکھنا یہ ہے کہ تو ظالم کہاں تک ہے

جامی صاحب باقر خان جیسے مطلب پرست اور خود غرض کی بے وفائی کو بھی اپنی وفا کے رنگ میں رنگ کر دیکھنا چاہتے تھے۔ یہ ان کی سادگی نہیں تو اور کیا ہے — جہاں جامی صاحب نے دوستی کی انتہا کر دی، وہاں ان کے فرزند ارجمند طاہر نے بھی نہ صرف اپنی وفا نبھائی، بلکہ برخورداری اور فرمانبرداری کی انتہا کر دی۔ اس نے وفا کی سولی پر لٹک کر اپنے آپ کو سرخرو کر لیا۔ اس کہانی کے کردار باقر خان سے گھن آتی ہے۔ جو ہر پل گرگٹ کی طرح

رنگ بدلتا رہا۔ اس نے دو پیار کرنے والوں کو اپنی جھوٹی
انا کی بھینٹ چڑھا دیا۔ اس نے جہاں طاہر کی وفا پر
چھریاں چلائیں، وہاں اس نے صبا کے ارمانوں کو بھی قتل
کر دیا۔ اس ناول کے کردار جہاں ایک طرف وفا کی بلندیوں
کو چھوتے نظر آئے، وہاں کچھ کردار بے وفائیوں کے سمندر
کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتے نظر آئے۔ یوں اس ناول کے
تمام کردار اپنی اپنی جگہ پر انتہا پسند واقع ہوئے۔ والسلام

خیر طلب:

سعید نامدار

محترم انکل اشتیاق احمد

السلام علیکم! آپ کا رومانی ناول "آئین بے وفائی" اتفاقاً
ایک دکان پر دیکھا تو جھٹ خرید لیا۔ جیسے ہی ختم کیا ہے
ایک بوجھ سا دل پر محسوس ہو رہا ہے۔ کیوں؟ مجھے خود
نہیں پتا، جبکہ آنسو پہلے ہی بہہ چکے ہیں۔ میں نے خود اپنے
آپ کو اس ناول کے کرداروں کی جگہ محسوس کیا ہے۔ کبھی
بیگم خان کے چالاک روپ میں کہ جس کے لیے کہا جاتا ہے
کبھی شعلہ، کبھی شبنم اور کبھی صبا کے روپ میں کہ جس
کے لیے مجھے الفاظ نہیں مل رہے کہ اسے کیا کہوں۔

ایک شرارتی لڑکی، چالاک لڑکی، ایک فرمانبردار بیٹی، شرمندہ
ماں باپ کے آگے زبان نہ کھول سکی۔ ایک ایسی لڑکی
جس نے تمام شرم، تمام لحاظ بالائے طاق رکھ کر ایک
غیر لڑکے سے ملاقاتیں کیں۔ ایک صبا کے کردار کے کتنے
پہلو تھے۔ اور پھر طاہر جسے میں سمجھ نہیں پائی کہ کیا وہ سچا
تھا یا پھر جھوٹا۔ وہ ابھی کچھ میرے ذہن میں صحیح طور پر
واضح نہ ہو سکا۔ پھر خان صاحب۔ کیا کوئی باپ ایسا ہو
سکتا ہے۔ نہیں۔ لیکن ہاں کہ اس دنیا میں ہر طرح کے
لوگ بستے ہیں۔ وہ بھی تو باپ تھے جو اپنے وجود کے
ایک حصے کو، اپنی بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی مار دیتے تھے،
اور وہ بھی تو باپ ہیں جو اپنی بیٹیوں کی خوشیوں اور راحتوں
پر دولت کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ فرق کیا ہے دونوں
میں؟ کچھ بھی تو نہیں۔ دونوں ایک سے ہیں۔ فرق صرف
اتنا ہے کہ پہلا باپ جہالت کے لبادے میں لپٹا
ہوا تھا، جبکہ بعد والا نئی تہذیب اور علم کی روشنی سے
منور تھا، مگر صرف ظاہری طور پر، ورنہ اندر سے تو اس
نے بھی پہلے باپ کی جہالت کی آگ چھپی ہوئی تھی۔ آج
بھی تو ہمارا المیہ ہے۔ پھر وہ مشفق بھائی صاحب۔ انکل!
وہ آپ ہی تھے نا اور طاہر آپ کے بیٹے۔ کیا نا

میں غلط تو نہیں ہوں ناں — نہ جانے مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ اس کہانی میں کچھ باقی ہے — کچھ بھول ہے — یہ کہانی ختم نہیں ہوئی ہے — اس کا ڈراپ سین نہیں ہوا ہے — کچھ ہو گا — کچھ ضرور ہو گا — آپ نے کہا تھا ناں کہ کوئی اُلجھن ہو تو خط لکھ کر دُور کر لیں — تو انکل پلیز، یہ دو اُلجھنیں دُور کر دیں — نمبر ایک تو یہی کہ کیا آپ خود جاسی ہیں ناں؟ اور دوسری یہی کہ یہ ناول ختم نہیں ہوا ہے؟

اس ناول کے کرداروں نے نہ صرف آپ کو پریشان کیا، بلکہ اس وقت میری حالت بھی... کس کردار سے سب سے زیادہ محبت، بلکہ ہمدردی کرنا چاہیے، محسوس کی — وہ صبا کا کردار تھا، نہ جانے کیوں یہ محسوس ہوا کہ ہمارے معاشرے کے ہر گھر میں ایک صبا ہے — کہیں حد درجے چالاک تو کہیں حد درجے معصوم — ہر روپ نرالا — اپنی تمام تر شوخیوں اور اپنی تمام تر 'BOLDNESS' کے باوجود وہی ایک مشرقی لڑکی جو کبھی اپنے ماں باپ کے فیصلوں سے انحراف نہیں کر سکی اور نہ شاید کبھی کر سکے — ہم لوگ کتنا ہی مغرب کی روایات و اصولوں کو اپنا لیں، مگر ہم کسی طور مشرق سے اپنا تعلق نہیں توڑ سکتے — ایک بات جو کھٹکی، وہ یہ کہ آپ

نے شروع میں صبا کو ساتویں جماعت کا بتایا اور ہمیں شرمندہ کر دیا۔ ایک تیرہ سالہ لڑکی کا یہ رُوپ — کچھ حیرت ہوئی — یہ سوچ کر دل کو تسلی دی کہ آپ نے ناول حقائق پر لکھا ہے، یہ بھی سچ ہی ہو گا — صبا پر بے انتہا ترس آیا — ناول کا جملہ "میں تمہیں اپنی انا کی بھینٹ نہیں چڑھاؤں گا" کئی بار پڑھ چکی ہوں اور ہر بار اک ٹیس سی دل میں اُٹھتی ہے اور اک خلش کا سا احساس ہوتا ہے — اور پھر یہ جملہ "کہ تم مجھے چانس پر رکھنا چاہتی ہو — اور تمہارے ماں باپ بھی" تو ایک نشتر تھا، جو دل کو چھلنی کر گیا، میں تو یہی کہوں گی، اس ناول کا ایک ایک جملہ دل میں اترتا ہوا محسوس ہوا —

ارے ہاں! میں یہ تو بھول ہی گئی کہ سب سے زیادہ نفرت — بیگم خان سے محسوس ہوئی — کتنی خراب ماں تھی — بیٹی کی عزت کا جیسے کوئی پاس ہی نہیں تھا — آنکھوں پر نہ جانے بے غیرتی کی پٹی بندھی تھی یا پھر مغرب کی گندی ہوا لگ گئی تھی — یہ عورت واقعی قابلِ نفرت ہے اور میری طرف سے تو قابلِ پٹائی بھی —

میں اور کیا کہوں، اس ناول کے بارے میں۔ الفاظ نہیں مل رہے — اور پھر بھی جو کچھ لکھا ہے، وہ دل کی

گہرائیوں سے نکلا۔ آخر میں اتنا مزید کہ دوں کہ اس
میں کوئی شک نہیں انکل، کہ یہ ناول آپ نے روشنائی
سے نہیں، اپنے خون سے لکھا ہے، ہر صبا کے خون
سے لکھا ہے اور ہر طاہر کے خون سے لکھا ہے۔ یہ
ناول ایک حقیقت ہے، ایک مسلّم حقیقت ـــ پتا نہیں انکل
جو گھر بظاہر روشن نظر آتے ہیں، وہ باطنی طور پر اندھیرے
میں کیوں ہوتے ہیں۔

گو کہ میں نے کبھی بھی کوئی رومانی ناول نہیں پڑھا،
بس زیادہ سے زیادہ محترم نسیم حجازی کے ناول پڑھے ہیں،
مگر آپ یقین کریں کہ "آئین بے وفائی" روح کی تاروں
تک کو جھنجوڑ گیا ہے۔ کاش! میں اس وقت آپ سے
روبرو اس ناول پر بات کر سکتی، مگر یہ میری خواہش
ہی ہے کہ جب کبھی آپ سے ملاقات ہو، یہ ناول
ضرور موضوع گفتگو بنے۔ اس ناول پر میں مزید بھی
بہت کچھ کہنا چاہتی ہوں، مگر لفظ میرا ساتھ نہیں دے
رہے۔ آخر میں صرف یہی کہوں گی کہ "آئین بے وفائی"
ہمارے معاشرتی حالات کا عکاس ہے۔

تسنیم زہرہ خان، پی۔ ای۔ سی۔ ایچ۔ ایس، کراچی

محترم اشتیاق احمد صاحب

السلام علیکم! مجھے نہیں معلوم کہ کسی مصنف سے مخاطب
ہونے کے کیا طریقے اور آداب ہوتے ہیں، کیونکہ میری
تعلیم زیادہ نہیں۔ لیکن آپ کا ناول "آئین بے وفائی"
پڑھ کر آپ سے مخاطب ہونا مجبوری ٹھہرا۔ اس لیے
کہ جس طرح آپ اگر یہ ناول نہ لکھتے تو بے کار ہو
جاتے، اسی طرح اگر میں آپ کو خط نہ لکھتا تو زندگی
کا بہت عرصہ نہ سہی، مگر کچھ وقت بے کاری کی نذر
ضرور ہو جاتا۔

میں نے رات ایک ہی نشست میں آپ کا ناول پڑھا
ہے اور صبح نماز سے فارغ ہوتے ہی آپ کو خط لکھنے
بیٹھ گیا ہوں۔

آپ کا یہ دعویٰ کہ آپ نے یہ ناول خون سے لکھا
ہے، واقعی بالکل صحیح بات ہے۔ مجھے آپ کے ناول کی
تعریف کے لیے سچ مچ الفاظ نہیں مل رہے۔ بس ایک احساس
ہے، جسے میں محسوس کر رہا ہوں، مگر اظہار اس لیے نہیں
کر سکتا کہ میرے پاس لفظوں کا اتنا وسیع ذخیرہ بھی
نہیں ہے۔

میں نے اس ناول میں مصنف سے بڑی خوبی جو محسوس

کی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ نے اسے حقیقت کے بہت ہی قریب لکھا ہے اور دیگر مصنفین کے ناولوں کی طرح کہیں بھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ ہم کوئی افسانہ یا ناول پڑھ رہے ہیں۔

آج کل جتنی فلمیں دیکھ لو، جتنے ناول اور افسانے پڑھ لو، انھیں دیکھتے اور پڑھتے ہوئے ہر لمحے یہ احساس ہوتا ہے کہ ہم جو کچھ دیکھ اور پڑھ رہے ہیں، یہ کسی صورت صحیح نہیں ہو سکتا، کیونکہ اسے عقل تسلیم ہی نہیں کرتی، مگر آپ نے یہ ناول جس انداز سے تحریر کیا ہے، اسے ذہن یقین کی حد تک تسلیم کرتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کا یہ ناول حقیقت پر مبنی ہے۔

غلام مرتضیٰ قمر، حرمین الیکٹرک سٹور، ہسپتال روڈ، رحیم یار خان

ڈیئر انکل اشتیاق احمد

السلام علیکم! بالآخر طویل انتظار کے بعد آپ کا ناول "آئینہ بے وفائی" ملا۔ سرورق خوب صورت تھا۔ یہ ناول میں نے ٹوٹے دل کے ساتھ پڑھا۔ پڑھ کر ایسا محسوس ہوا کہ یہ کہانی صرف ایک شخص کی ہی نہیں، بلکہ ہر

اس شخص کی کہانی ہے جو یقیناً اس دور سے گزر چکا ہوگا۔ کہانی جس انداز سے شروع ہوئی، وہی اصل میں آج کے زمانے کی کہانی ہے۔

سب سے اچھا کردار طاہر کا رہا۔ اور میں نے خود اس کردار سے محبت کی ہے، کیونکہ اگر یہ محبت میں ناکامی پر ہمت ہار بیٹھتا تو اس کا پورا خاندان تباہ ہو جاتا۔ سب سے زیادہ صبا کے کردار سے نفرت ہوئی۔ واقعی آج کی ریت یہی ہے۔ اس نے پہلے تو اپنی شوخ اداؤں سے ایک معصوم لڑکے کا دل چرایا۔ اور بعد میں جب وہ اس کے جال میں پھنس گیا اور اس کو اپنا ہم سفر سمجھنے لگا، تو اس نے ہی دھوکا دیا۔ اگر صبا اپنے والدین سے اتنا ہی ڈرتی تھی تو وہ پیار کا چکر نہ چلاتی۔ لیکن واقعی یہ حقیقت ہے کہ اس کا انجام ایسا ہوا۔ جامی صاحب کا کردار بھی بہت عمدہ رہا، کیونکہ انھوں نے ہی ایک اتنا عمدہ ناول تخلیق کیا اور اپنے کردار کو خوب نبھایا۔ اس کے علاوہ صبا کے والدین کو معلوم ہونا چاہیے تھا کہ وہ ایک لڑکی کے والدین ہیں اور اپنے گھر کو اتنا آزاد نہ رکھیں۔

آپ کا یہ دعویٰ کہ آپ نے یہ ناول روشنائی سے

نہیں ، اپنے خون سے لکھا ہے ، واقعی صحیح ہے۔ لیکن میرا دعویٰ یہ ہے کہ میں نے یہ ناول اپنے سُلگتے ارمانوں سے اور روتے ہوئے دل سے پڑھا ہے اور یہ واقعتاً حقیقت ہے۔

اے منان خرم بٹ ، الریاض ، السعودیہ

●

پیارے انکل اشتیاق احمد

السلامُ علیکم ! پہلی دفعہ بزمِ اشتیاق احمد میں (خطوط کے آئینے میں) خط لکھنے کی جسارت کی ہے۔ میں آپ کا بہت پُرانا قاری ہوں اور آپ کے تقریباً تمام ناول کئی کئی بار پڑھ چکا ہوں۔ آپ کے تمام خاص نمبر میرے پاس محفوظ ہیں۔

آج تک خط لکھنے کی جرأت اس لیے نہ ہوئی کہ میری لکھائی بہت گندی ہے اور اسی احساسِ کمتری نے مجھے خط لکھنے سے باز رکھا۔ مگر ناول "آئین بے وفائی" پڑھ کر ایسا محسوس ہوا کہ یہ میری ہی کہانی ہے۔

ڈیئر انکل ! مجھے یہ ناول بہت ہی پسند آیا ہے۔ اور ایک بات میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ایسا ناول صرف اور صرف مبنی بر حق حالات پر ہی لکھا جا سکتا

ہے۔ کوئی بھی ناولسٹ اسے پلاٹ قرار نہیں دے سکتا۔ یہ ناول یقیناً نوید بھائی کے لیے لکھا گیا ہو گا۔ آپ نے اشارہ تو دے ہی دیا تھا۔

آپ کے ناولوں میں احادیثِ مُبارکہ کا سلسلہ بہت ایمان افروز سلسلہ ہے۔ اللہ کرے : زورِ قلم اور زیادہ۔

ثاقب اعجاز ، مکان نمبر۱ ، گلی نمبر۲ ، حبیب شہید کالونی فیصل آباد

●

پیارے انکل اشتیاق احمد

السلامُ علیکم : "آئین بے وفائی" ناول پڑھا۔ بڑے دل کش انداز میں لکھا گیا ہے۔ اس ناول کو پڑھ کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ بھائی پر بیتی یہ کہانی آپ کی اپنی کہانی ہے۔

محمد عدنان تاج ، اعوان ہاؤس ، نزد محمود محل سینما ، نئی آبادی ، اٹک

●

محترم اشتیاق احمد

السلامُ علیکم : اس ماہ کے ناول پڑھے ، بہت پسند آئے۔ "آئین بے وفائی" غضب کا ناول تھا۔ اس کی قیمت کچھ زیادہ محسوس ہوئی۔

راجا عدیل اشفاق ، مکان نمبر ۱ ، گلی نمبر ۱۰ ، محمد نگر ، لاہور

www.UrduFanz.com
اشتیاق احمد
کے سنسنی خیز، ہنگامہ آرا، مزاح اور جاسوسی
سے بھرپور ناول
5387
اشتیاق پبلی کیشنز